RNI No. - MAHURD/2011/49433

اهل السنۃ
Ahl Us Sunnah

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

September 2026 | ستمبر ۲۰۲۶ء

عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کے ایک ہونے سے متعلق ایک جھوٹی روایت

''جمع بین الصلاتین'' کے شرعی اسباب

حسد کی تباہ کاریاں، اسباب اور علاج

سوشل میڈیا کے دور میں اسلامی اخلاق وکردار

ایڈیٹر: ابوفوزان کفایت اللہ سنابلی

ماہنامہ

نائب ایڈیٹر: آفاق احمد سنابلی مدنی

Vol: 15 | Issue : 09 | Urdu-Monthly | Mumbai | September 2026 | Page 52 | Price: 40/-

حمد باری تعالیٰ

سلسلۂ کلام: شعراءاہلِ حدیث ہند(۱۴) **کلام:** علامہ محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ۔ **انتخاب وترتیب:** ابوالبیان رفعت سلفی

شاعر کا مختصر تعارف

نام ونسب: محمد داؤد بن عبداللہ بن مہتاب بن چاند خان بن الف خان بن رنجیت سنگھ۔ **پیدائشی نام:** امید علی خان۔ **تخلص:** راز۔ **تاریخِ پیدائش:** ۱۹۰۸ء، مطابق ۱۳۲۶ھ۔ **مقامِ پیدائش:** موضع ریوہ، تحصیل فیروز پور، ضلع گڑگاؤں، میوات، ہریانہ۔ **سندِ فراغت:** مدرسہ دارالکتاب والسنۃ، صدر، دہلی، ۱۹۲۷ء۔ **لقب:** ابوالسعود۔ **علمی، دعوتی اور تدریسی مناصب:** سابق ایڈیٹر، مجلہ نورالایمان، دہلی، سابق ناظمِ اعلیٰ، آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس ۱۹۶۰ء، سابق مدرس دارالعلوم شکراوہ، سابق امام وخطیب جامع مسجد اہلِ حدیث مومن پورہ ممبئی، وغیرہ۔ **چند مشہور اساتذۂ کرام:** حکیم عبدالشکور شکراوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالجبار شکراوی رحمہ اللہ، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالوہاب ملتانی صدری رحمہ اللہ، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحق ہاشمی بہاولپوری رحمہ اللہ، میاں جی عبداللہ صاحب میواتی رحمہ اللہ، وغیرہم۔ **چند مشہور تصنیفات وتالیفات:** تفسیر ثنائی، شرحِ بخاری اردو، فتاویٰ ثنائیہ، فتاویٰ نذیریہ، تحریکِ جماعتِ اسلامی اور مسلکِ اہلِ حدیث: ایک جائزہ، پیامِ زندگی منظوم، چمن اسلام، حصہ پنجم، وغیرہ۔ **تاریخِ وفات:** ۲ دسمبر ۱۹۸۱ء، بروز بدھ۔

مِرے اللہ! تیری شان عالی ہے نِرالی ہے
تُو خالق ہے، تُو رازق ہے، تُو مالِک ہے، تُو والی ہے

تیری کاریگری نے گلستاں کو رَنگ و بُو بخشا
تِری وَحدَت کا مَظہر پتّہ پتّہ، ڈالی ڈالی ہے

خِزاں میں اور بَہاروں میں قمر میں اور تاروں میں
چَمَن میں کوہساروں میں، تری قدرت نِرالی ہے

فَضائے صُبح و شام و روزِ روشن، چاندنی راتیں
عَجَب شانِ جَلالی ہے، عَجَب شانِ جَمالی ہے

بڑے ڈھَب سے سَجایا تُو نے یا رَب! باغِ عالَم کو
کہیں سبزے کی ہَریالی، کہیں پُھولوں کی لالی ہے

برے ہیں یا بَھلے ہم، سَب تِرے دَر کے بِھکاری ہیں
تو پالنہار ہے سب کا، تُو ہی ہم سَب کا والی ہے

جو دِل تیری محبت سے نہ ہو بھرپُور، یا اللہ!
قَسَم ہے تیری، یا رَب! نُورِ ایماں سے وہ خالی ہے

تری تعریف سے تسکینِ دل حاصل ہوا ہم کو
ہَمارا قبلۂ حاجات، تیرا بابِ عالی ہے

ماخوذ: چمن اسلام (جدید) حصہ پنجم ص: ۱۲

Ahlus Sunnah

Volume No.15, Issue No.09, September, 2026

جلد: ۱۵
شمارہ: ۹

فی شمارہ Rs. 40/-
سالانہ Rs. 400/-

ستمبر ۲۰۲۶ء

ماہنامہ

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: ابوفوزان کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر: آفاق احمد سنابلی مدنی
رابطہ نمبر: 7045788251

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی ● حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی

فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی، ای، او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبید الرحمٰن مدنی ● شیخ نورالحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ: اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبرشپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at : Alwan Prints, A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg, Lower Parel (West), Mumbai - 400 013.

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اھلُ السُنَّة

Ahl Us Sunnah

September 2026 | ستمبر ۲۰۲۶ء

فہرست

قناعت پسندی	ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی	5
عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کے ایک ہونے سے متعلق ایک جھوٹی روایت	کفایت اللہ سنابلی	6
مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت سازی میں علمائے اہل حدیث (پہلی قسط)	ڈاکٹر عبدالمحسن تیمی	10
''جمع بین الصلاتین'' کے شرعی اسباب	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ مدنی	18
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں کا تعارفی سلسلہ قسط: (۲۴)	ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی	23
کتب ستہ سے ہم کیسے مستفید ہوں؟ (قسط ثانی)	اردو ترجمہ: صہیب حسن بن فضل حق مدنی	26
مایوسی کے لمحات	سفیان احمد ریاض الدین سلفی	30
حسد کی تباہ کاریاں، اسباب اور علاج (قرآن وسنت اور ۔۔۔) (قسط اول)	ام محمد خوشنما مصلح الدین	34
اسلام: عورتوں کے حقوق کا محافظ	بنت اصغر حسین	41
سوشل میڈیا کے دور میں اسلامی اخلاق وکردار	حلیمہ محمد شمیم	46

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

جلد (۱۵) شمارہ (۹) ممبئی ستمبر ۲۰۲۶ء

درس حدیث

قناعت پسندی

ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ مِحْصَنٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:”مَنْ أَصْبَحَ مِنكُمْ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ، آمِنًا فِي سِرْبِهِ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا“.

عبیداللہ بن محصن انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے جس نے اس حال میں صبح کی کہ اس کا جسم صحیح سلامت ہو، اس کی جان امن وامان میں ہو اور اس دن کا کھانا بھی اس کے پاس ہو تو گویا اس کے لیے دنیا اکٹھی ہو گئی“۔ [صحیح ابن ماجه :3357، حسن]

عبیداللہ بن محصن کا تعارف: ان کے شرف صحابیت کے سلسلہ میں بعض لوگوں نے اختلاف یا شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے (التاریخ الکبیر، 6/483) میں لکھا ہے: ”عبيدالله بن محصن الانصاری: له صُحبة“۔ ”عبیداللہ بن محصن کو شرف صحابیت حاصل ہے“۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی روایت کے سیاق میں ذکر کیا ہے ”وكانت له صحبة“۔ ”اسی طرح امام ترمذی رحمہ اللہ ان کا نام اپنی کتاب ”تسمية أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم“ میں بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ کئی ایک علماء نے بھی ان کو صحابہ کی فہرست میں ذکر کیا ہے۔

فوائد حدیث:

(۱) جسے کوئی بیماری اور خوف نہ ہو اور دن بھر کی ضرورت کا سامان موجود ہو تو یہ اس کے لیے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ (۲) ہم زیادہ کی خواہش میں ان نعمتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے جو ہمارے پاس موجود ہوتی ہیں جس کی وجہ سے دل میں شکر کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ (۳) جس شخص کے پاس ایک دن کی ضروریات موجود ہیں اسے اس دن اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ امید رکھنی چاہیے کہ جب کل کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ ہی آج کی طرح اس کی ضروریات کل بھی پوری کرے گا۔ (۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحت وعافیت اور ایک دن کے کھانے کے سامان کا گھر میں ہونا ایسے ہی ہے جیسے پوری دنیا اس کے پاس ہے، سبحان اللہ۔ حدیث میں قناعت کا زبردست بیان ہے، اور ناشکری کرنے والوں کے لیے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے۔ (۵) امن کی نعمت اللہ رب العالمین کی عظیم ترین نعمت ہے۔ (۶) انسانی ضروریات میں امن، عافیت اور رزق کو بڑا اونچا درجہ حاصل ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کے ایک ہونے سے متعلق ایک جھوٹی روایت

کفایت اللہ سنابلی

بعض گمراہ فرقے، خصوصاً قادیانی اور مہدوی، اپنی بعض باطل تاویلات کی تائید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب اس روایت ”لا مهدي إلا عيسى ابن مريم“ سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کرام نے اس روایت کا باریک بینی سے جائزہ لے کر اسے منکر، باطل اور ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے۔ ذیل میں اس روایت کی سند کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے، جس سے واضح ہوگا کہ یہ روایت متعدد علتوں کی بنا پر قابلِ قبول نہیں، لہٰذا اس سے کسی بھی عقیدہ یا نظریہ پر استدلال درست نہیں۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی 273ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الشَّافِعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الْجَنَدِيُّ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَزْدَادُ الْأَمْرُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَا الدُّنْيَا إِلَّا إِدْبَارًا، وَلَا النَّاسُ إِلَّا شُحًّا، وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ النَّاسِ، وَلَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”دن بہ دن معاملہ سخت ہوتا چلا جائے گا، اور دنیا تباہی کی طرف بڑھتی جائے گی، اور لوگ بخیل ہوتے جائیں گے، اور قیامت بدترین لوگوں پر ہی قائم ہوگی، اور مہدی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے“۔[سنن ابن ماجة، رقم 4039]

یہ روایت سخت ضعیف ومردود ہے۔

امام حسن بن محمد الصغانی رحمہ اللہ (المتوفی 577ھ) نے اس روایت کو موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔[الدرر الملتقط في تبين الغلط:ص34]

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:748ھ) نے کہا:

قلت:حديثه ”لا مهدي إلا عيسى ابن مريم“، وهو خبر منكر أخرجه ابن ماجة-

”میں کہتا ہوں: اس کی وہ حدیث ”مہدی، عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی نہیں“، منکر روایت ہے، جسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے“۔

[ميزان الاعتدال: ن مؤسسة الرسالة: 4/ 107]

اس کے اندر درج ذیل چار علتیں ہیں:

* **پہلی علت:** حسن بصری مدلس ہیں اور روایت ”عن“ سے ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی 852ھ) نے کہا:

”وكان يرسل كثيرا ويدلس“۔

”یہ بہت زیادہ ارسال کرتے تھے اور تدلیس بھی کرتے تھے“۔ [تقريب التهذيب لابن حجر: رقم 1227]

اگر کوئی کہے کہ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں اسے مدلسین کے دوسرے طبقہ میں رکھا ہے جن کی معنعن روایت مقبول ہوتی ہے۔

تو عرض ہے کہ حسن بصری کو دوسرے طبقہ میں رکھنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ کثیر التدلیس ہیں اور جو مدلس کثیر التدلیس ہو وہ تیسرے طبقہ کا ہوتا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: 748ھ) نے کہا:

”كان الحسن كثير التدليس، فإذا قال في حديث عن فلان ضعف سماعه“۔

”حسن بصری کثیر التدلیس ہیں، لہٰذا جب یہ کسی حدیث میں عن فلاں کہیں تو ان کا سماع ضعیف ہوگا“۔ [ميزان الاعتدال، ن مؤسسة الرسالة: 1/ 481]

رہی بات یہ کہ اگر یہ کثیر التدلیس ہیں اور ان کا عنعنہ مضر ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں دوسرے طبقہ میں کیوں رکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تسامح ہے اور خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی دوسرے مقام پر کہا:

”وهو مع ذلك كثير الإرسال فلا تحمل عنعنته على السماع“۔

”حسن بصری اس کے ساتھ کثیر الارسال ہیں اس لیے ان کا عنعنہ سماع پر محمول نہیں“۔[فتح الباري لابن حجر، ط السلفية: 1/ 109]

لیجیے خود ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فیصلہ کر دیا کہ حسن بصری کا عنعنہ سماع پر محمول نہیں ہوگا۔

* **دوسری علت:** ابان بن صالح کا حسن بصری سے سماع ثابت نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:748ھ) لکھتے ہیں:

قيل: إنه لم يسمع من الحسن ذكره ابن الصلاح في أماليه-

"کہا گیا ہے کہ انہوں نے حسن سے سماع نہیں کیا تھا۔اس بات کا ذکر ابن الصلاح نے اپنی امالی میں کیا ہے"۔

[ميزان الاعتدال، ن مؤسسة الرسالة: 4/ 107]

* **تیسری علت:** "محمد بن خالد الجُندِ يُّ" متروک ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی:463ھ) نے اسے متروک قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

وَمُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الْجَنَدِيُّ وَالْمُثَنَّى بن الصباح مَتْرُوكَانِ-

"محمد بن خالد الجندی اور مثنی بن صباح، دونوں متروک راوی ہیں"۔[التمهيد لابن عبدالبر 23/ 39]

تنبیہ:

امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان میں ابن معین سے توثیق نقل کی ہے مگر یہ ثابت نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے امام ازدی سے "منکر الحدیث" کی جرح بھی نقل کی ہے۔

تاہم امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی جرح ثابت ہے۔

* **چوتھی علت:** سند میں اضطراب ہے۔

"مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُنَدِيِّ" سے یہ روایت دوطرح مروی ہے:

(الف)مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الْجَنَدِيُّ، عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ- [ابن ماجة: رقم 4039]

(ب) مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ الْجَنَدِيِّ، عَنْ أَبَانَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ، عَنِ الْحَسَنِ،(؟)عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم-[بيان خطأ من أخطأ على الشافعي للبيهقي ص296]

دوسرے طریق کی مکمل سند یہ ہے:

أبنا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ، حَدَّثَنِي أَبُو أَحْمَدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزْدَادَ الرَّازِيُّ الْمُزَكِّي بِبُخَارَا مِنْ كِتَابِهِ، ثنا أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَجَّاجِ بْنِ رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ الْمَهْرِيُّ بِمِصْرَ، حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْمُفَضَّلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَنَدِيُّ، ثنا صَامِتُ بْنُ مُعَاذٍ:

عَدَلْتُ إِلَى الْجَنَدِ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ مِنْ صَنْعَا، فَدَخَلْتُ عَلَى مُحَدِّثٍ لَهُمْ، فَطَلَبْتُ هَذَا الْحَدِيثَ فَوَجَدْتُهُ عِنْدَهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ الْجَنَدِيِّ، عَنْ أَبَانَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِثْلَهُ۔[بيان خطأ من أخطأ على الشافعي للبيهقي:ص296]

یہ دوسرا طریق مرسل ہے، نیز اس کی سند میں (أَبَانَ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ) متروک ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:852ھ) نے کہا:

”أبان بن أبي عياش فيروز البصري أبو إسماعيل العبدي متروك“۔

”ابان بن ابی عیاش، جن کا نام فیروز تھا، بصری تھے، ان کی کنیت ابو اسماعیل اور نسبت عبدی ہے۔ وہ متروک راوی ہیں“۔[تقريب التهذيب لابن حجر: رقم 142]

اس دوسرے طریق سے متعلق امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَإِنْ كَانَتِ الرِّوَايَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ صَحِيحَةً، وَقَدْ رَوَاهُ مَرَّةً أُخْرَى بِخِلَافِهَا كَانَ هَذَا تَخْلِيطًا مِنْ جِهَتِهِ بِرِوَايَتِهِ مَرَّةً هَكَذَا، وَمَرَّةً هَكَذَا، إِلَّا أَنَّ فِي صِحَّتِهَا عَنْهُ نَظَرٌ فَإِنَّهُ عَنْ مُحَدِّثٍ مَجْهُولٍ۔

”پھر اگر محمد بن خالد سے یہ روایت صحیح ثابت بھی ہو، جبکہ یہی روایت ان سے ایک دوسری مرتبہ اس کے خلاف بھی مروی ہو، تو یہ ان کی طرف سے روایت میں خلط واضطراب شمار ہوگا، کیونکہ وہ کبھی اسے ایک طرح اور کبھی دوسری طرح روایت کرتے ہیں۔ تاہم ان سے اس (دوسری روایت) کی صحت بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ وہ ایک مجہول محدث کے واسطے سے مروی ہے“۔[بيان خطأ من أخطأ على الشافعي للبيهقي:ص296]

لیکن پہلی روایت کی سند بھی چونکہ ضعیف ہی ہے۔ لیکن رفع اضطراب کی ضمانت نہیں ہے۔

تاہم اگر پہلی روایت کو ترجیح دیں تو اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے کما مضی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ روایت سخت ضعیف ومردود وباطل ہے۔

(پہلی قسط)

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت سازی میں علمائے اہل حدیث کا کردار (ان کی کتابوں کے آئینے میں)

ڈاکٹر عبدالمحسن تیمی (مدرسہ دار التعلیم مئوناتھ بھنجن، اتر پردیش)

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا شمار بیسویں صدی کی مایہ ناز شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ ایک مشہور و معروف مصنف، مورخ، سوانح نگار، تذکرہ نویس اور عربی و اردو کے ممتاز انشاء پرداز تھے، عرب و عجم میں یکساں مقبول تھے، ادبی و علمی خدمات کے اعتراف میں انہیں متعدد اعزازات سے نوازا گیا، سعودی حکومت نے آپ کو شاہ فیصل ایوارڈ بھی عطا کیا تھا، آپ کے والد حکیم سید عبدالحئ حسنی اپنے دور کے معروف اور بلند پایہ عالم دین اور مورخ تھے، انہوں نے تقریباً آٹھ ضخیم جلدوں میں ''نزھۃ الخواطر'' لکھی جو آج بھی دینی و علمی حلقوں میں کافی مقبول و مشہور ہے جس میں تقریباً ساڑھے چار ہزار سے زائد شخصیات کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں۔ مولانا عبدالحئ حسنی نے جس دور میں تعلیم کا آغاز کیا اس زمانے میں قرآن وحدیث کے بجائے منطق وفلسفہ، علم کلام اور دوسرے علوم عقلیہ ونقلیہ کی خاص اہمیت تھی اور ان علوم میں دسترس حاصل کرنا قابل فخر واعزاز سمجھا جاتا تھا، لہٰذا مولانا کی ابتدائی تعلیم بھی اپنے وقت کے حساب سے ہوئی پھر تحصیل علم حدیث کا ذوق وشوق پیدا ہوا اور اس کے لیے متعدد مشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا لیکن علم حدیث کی تشنگی بجھ نہ سکی لہذا مزید علمی تشنگی کو سیرابی دینے کے لیے بھوپال تشریف لے گئے جو اس زمانے میں علوم و فنون، ادب وثقافت اور تہذیب وتمدن کا مرکز تھا، اس مرکز علم وادب میں بے شمار تشنگان علم ودانش سرچشمۂ علم وفن سے خوب سیراب ہوئے۔ مولانا بلال عبدالحئ حسنی ندوی لکھتے ہیں ''مسلسل دو سال آپ نے بھوپال میں قیام کیا اور تحصیل علم حدیث کی تکمیل کی، یہی زمانہ شیخ حسین کی شہرت ومقبولیت کا تھا، مولانا نے شیخ سے پورا فائدہ اٹھایا''۔ (۱)

مزید لکھتے ہیں کہ: ''مولانا نے جس ذات سے فن حدیث میں سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے وہ شیخ حسین بن محسن انصاری کی ذات والا صفات ہے جو اس وقت ہندوستان کے کبار محدثین کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے اور جن سے سند لینا بہت باعث فخر سمجھا جاتا تھا''۔ (۲) مولانا ابوالحسن علی ندوی اپنے والد محترم کے متعلق لکھتے ہیں: ''مولانا سید عبدالحئ حسنی صاحب نے ان سے (شیخ حسین بن محسن انصاری) صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد، اول سے آخر تک لفظ بلفظ پڑھیں اور خود ان کتابوں کی قرأت کی، نیز سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور مشکاۃ و مؤطا کی سماعت کی، اساتذہ اور علمائے بھوپال کی ایک خصوصی مجلس میں شیخ نے آپ کو آخری سبق پڑھایا اور سند فراغت دی، اور تمام علوم میں آپ کو درس وتدریس کی تحریراً وتقریراً اجازت دی، ان کتابوں کے علاوہ آپ نے شیخ صاحب سے ''حصن حصین'' اور ''بلوغ المرام'' وغیرہ بھی پڑھی اور مسلسلات کی اجازت لی، شیخ

صاحب نے اپنی تمام مرویات اور ساری کتابوں کی اجازت دی، ''نزھۃ الخواطر'' میں مولانا سید عبدالحئ حسنی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''وہ مجھ سے اولاد کی طرح محبت فرماتے تھے،لکھنؤ تشریف لاتے تو میرے یہاں قیام فرماتے ،بعض اوقات مہینہ مہینہ بھر قیام فرمایا''۔(۳)

شیخ حسین کے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں بعض اسماء کا ذکر مولانا ابوالحسن علی ندوی کرتے ہیں:

''تلامذہ میں نواب سید صدیق حسن خان، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، نواب وقار جنگ مولوی وحید الزماں حیدرآبادی، علامہ محمد طیب مکی، شیخ ابوالخیر احمد مکی اور شیخ اسحاق بن عبدالرحمن نجدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں''۔(۴)

قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ ندوی صاحب نے شیخ حسین کے جن تلامذہ کا ذکر کیا ہے ان کے والد اور شیخ ابوالخیر احمد مکی کے علاوہ سب کے سب مسلک اہل حدیث کے نامور عالم دین اور محدثین عظام تھے، جنھوں نے ہندوستان میں درس حدیث کی مسند بچھائی، ان کی دینی واصلاحی خدمات اور علمی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان سے بہت سی بدعات و خرافات کا خاتمہ ہوا، انہوں نے فن حدیث کو عام علوم پر فوقیت وفضیلت دی، اس کی خدمت واشاعت کرکے امت مسلمہ پر جو احسان کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔

مولانا عبدالحئ حسنی نے اہل حدیثوں کے سرخیل میاں نذیر صاحب کی بھی شاگردی اختیار کی اور ان سے سند اجازہ حاصل کیا، کبار علماء اہل حدیث کی صحبت وہم نشینی اختیار کی، اس کے باوجود بھی مولانا اپنے آبائی وموروثی مسلک تقلید وتصوف پر قائم ودائم رہے، پوری زندگی علمائے اہل حدیث سے خوب اخذ واستفادہ کرتے رہے، اپنی تحریروں میں فن حدیث سے متعلق ان کی خدمات کا اعتراف کرتے رہے، لیکن پھر بھی آپ مسلک اہل حدیث جو قرآن اور صحیح حدیث سے عبارت ہے قبول نہیں کرسکے، منہج سلف صالحین کے دامن سے وابستہ نہیں ہوسکے حتی کہ ایک مدت تک ندوۃ میں علم حدیث اور عربی زبان کی درس وتدریس کے لیے علمائے اہل حدیث کو ہی مقرر کرتے رہے۔ یہی حال ان کے فرزند ارجمند مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بھی رہا، ان کی خودنوشت سوانح کے مطالعہ سے ہویدا ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت سازی، صلاحیت کی تشکیل، عربی زبان وادب میں یدطولیٰ اور فکری تعمیر میں سب سے زیادہ گہرا اثر علماء اہل حدیث کی صحبت ورفاقت اور ان کی فیضان نظر کا تھا۔

اگر آپ کی زندگی سے علمائے اہل حدیث کا ذکر نکال دیا جائے تو وہ ناقص اور نامکمل ہے۔ آپ کی خوابیدہ تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے، پڑھنے کا شوق اور لکھنے کا جذبہ پیدا کرنے میں اور آپ کی علمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں علمائے اہل حدیث کا کلیدی رول رہا اور وہ آپ کے خانوادے کے لیے مشعل راہ رہے اور ان کی وجہ سے خوشگوار

علمی نقوش مرتب ہوئے جیسا کہ مولانا ندوی لکھتے ہیں میری عربی تعلیم کے شروع ہونے کا وقت آیا تو میرے برادر معظم ومربی ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب مرحوم نے مجھے عرب صاحب کے سپرد کیا جن سے بھائی صاحب کو بہت یگانگت ومحبت تھی یہ خاندان ہمارے خاندان کا دو پشتوں سے استاد چلا آرہا تھا یہ تیسری پشت تھی، میرے والد صاحب نے حدیث شیخ حسین بن محسن سے پڑھی تھی۔ادب انہوں نے ان کے فاضل فرزند شیخ محمد عرب صاحب سے پڑھا،اب ان کی اولاد کی باری تھی۔(۵)

مولانا کی زندگی میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب وہ دینی علوم سے عصری علوم کی طرف مائل ہو گئے،انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پروان چڑھنے لگا،میٹرک اور انٹر میڈیٹ کی تیاری میں مصروف ہو گئے اس کے لیے مختلف انگریزی اورریاضی کے اساتذہ سے مدد لینے لگے کیونکہ اسی زمانے میں ان کے خاندان کا ایک عزیز انڈین سول سروس میں کامیابی سے ہمکنار ہوا تھا اورلندن سے ٹریننگ حاصل کر کے ہندوستان آیا تھا جس کی بڑی دھوم مچی تھی،اس سے مولانا بہت متاثر ہوئے اورانہوں نے بھی عصری تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا،جب مولانا کی والدہ کواس کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت موثر،دل سوز اور نصیحت آموز خط ارسال کیا اورانہیں انگریزی تعلیم سے روکا۔خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:''علی تم کسی کے کہنے میں نہ آؤاور اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہواور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہوتو ان مردوں پر نظر کرو جنہوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گزاری،ان کے مرتبے کیا تھے،شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب،شاہ عبدالقادر صاحب،مولانا محمد ابراہیم صاحب'' (کاروان زندگی) کتاب کے حاشیہ میں مولانا ندوی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد مولانا ابومحمد ابراہیم صاحب آروی مشہور اہل حدیث عالم ہیں۔(٦)

ہندوستان میں سب سے پہلے مدارس میں دارالاقامہ کے قیام کی تجویز پیش کرنا اور پھر اس کا عملی نفاذ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ کی صورت میں کرنے کا شرف واعزاز مولانا ابراہیم آروی کو ہی حاصل ہے۔مولانا اپنی بے پناہ علمی قابلیت وخداداد صلاحیت کی بدولت اہل حدیث وغیر اہل حدیث میں یکساں مقبول ومشہور تھے جیسا کہ مولانا ندوی کی والدہ کے خط سے عیاں ہوتا ہے۔آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانیوں میں سے بھی تھے۔

ابتدائی تعلیم تعمیر شخصیت،افکاروخیالات اور تصورات کو پروان چڑھانے میں رہنما ثابت ہوتی ہے جس سے فہم و فراست،شعور وآگہی اور عقل ودانش میں اضافہ ہوتا ہے اوراس کے ذریعہ انسانی زندگی کا بہترین انداز میں آغاز ہوتا ہے۔مولانا کی ابتدائی تعلیم اور پرورش وپرداخت خالص دینی وعلمی ماحول میں ہوئی،جس گھرانے میں مولانا کی آنکھیں کھلیں وہاں دیندار وتعلیم یافتہ طبقہ اور شرفاء میں مسدس حالی کے اشعار پڑھنے پڑھانے کا عام چلن تھا اور خاندان کے ہر فرد کو بے شمار اشعار نوک زبان تھے،عوام میں مسدس حالی کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ

اس میں شرک و بدعت اور علماء سوء، صوفیاء ومشائخ کی تمام بری خصلتوں اور عادتوں پر سخت تنقید ہے۔ مولانا کو بھی مسدس حالی کا بہت سا حصہ زبانی یاد تھا اور دل و دماغ پر اثر انداز تھا جس کو وہ تقریر وتحریر میں بیان کرتے تھے پھر جب اردو زبان کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہوا اور ابتدائی ایام میں جن کتابوں سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ان میں سے وہ کتاب جو زندگی کے لیے مشعل راہ بنی اور جسے بار بار پڑھتے تھے وہ قاضی سلیمان صاحب منصور پوری کی شہرہ آفاق کتاب ''رحمۃ للعالمین'' ہے۔ مولانا قمطراز ہیں: ''اردو کے ابتدائی مطالعہ اور طالب علمی کے اس ابتدائی دور میں جس کتاب کو اپنے شوق سے پڑھا اور جس نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ قاضی سلیمان صاحب منصور پوری مرحوم کی سیرت رحمۃ للعالمین کا پہلا حصہ ہے۔ قاضی سلیمان صاحب کے درجات اللہ بلند فرمائے اس عالم میں ہوتے تو کہتا کہ آپ کی کتاب کا مجھ پر بڑا احسان ہے اس نے سب سے پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اس زمرے سے آشنا کیا جس کے بغیر یہ زندگی خاک اور عالم خس وخاشاک ہے''۔(۷)

مولانا ندوی رحمہ اللہ قاضی منصور پوری اور ان کی کتاب کے سلسلے میں شیخ صلاح الدین مقبول حفظہ اللہ کی کتاب ''الاستاذابو الحسن الندوي، الوجه الآخر من كتاباته'' کے حوالے سے مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کو ایک مکتوب میں علمائے اہل حدیث سے اپنی عقیدت ومحبت کے بارے کچھ اس طرح سے لکھتے ہیں:

''راقم شاید کسی کتاب سے اتنا متاثر ومستفید نہیں ہوا جتنا مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی کتاب رحمۃ للعالمین سے جب کہ راقم نے ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں'' کے سلسلہ میں اور کاروان زندگی کے حصہ اول میں لکھا ہے۔ قاضی صاحب نے کانپور کے ندوۃ العلماء کے جلسہ میں میرے مربی برادر محترم مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا کہ میں نے سیرت رحمۃ للعالمین کا ایک نسخہ آپ کے چھوٹے بھائی کو بھیجا ہے۔ یہ ناچیز قاضی صاحب کو برابر یاد رکھتا ہے اور ان کا معتقد ہے''۔(۸)

مولانا ندوی گوناگوں صفات اور کمالات فائقہ سے متصف تھے لیکن مولانا کی ایک امتیازی شناخت عربی زبان وادب سے ہوتی ہے، تحریر وتقریر میں عربی زبان میں دسترس ومہارت کی بدولت عالم عرب میں کافی مشہور ومقبول ہوئے بلکہ عصر حاضر میں مولانا کو عالم عرب میں جو مقام ومرتبہ اور عظمت وشہرت حاصل ہوئی وہ برصغیر کے کسی دوسرے عالم کو نہیں ہوئی، ہند و بیرون ہند جہاں بھی کسی کانفرنس، اجتماع اور علمی محافل میں شرکت فرماتے انہیں قابل احترام اور سرپرست کی حیثیت دی جاتی تھی لیکن مولانا کو یہ مقام ومرتبہ اور یہ عزت وشرف کیسے حاصل ہوا، وہ بنیادی عناصر کیا ہیں جنہوں نے مولانا کی شخصیت سازی اور اس کی تشکیل وتکمیل میں کلیدی کردار ادا کیا، اور کن عوامل کی وجہ سے یہ شخصیت اس اعزاز اور مناصب کی مستحق ہوسکی۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی شخصیت کی تشکیل میں اس کے خاندان،

ماحول، اساتذہ اور علوم وفنون کا بہت عمل دخل ہوتا ہے، آپ ایک نامور وعلمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، جب اس جہاں فانی میں آپ نے آنکھ کھولی تو اس وقت آپ کا خاندان پورے برصغیر ہندو پاک میں ممتاز ومحترم سمجھا جاتا تھا، گھر کے علمی اور دینی ماحول کا اثر مولانا کی ذہنی نشونما، کردار سازی اور شخصیت پر گہرا تھا، قابل قدر اور معزز ہستیوں نے ان کی تربیت کی تھی، حصول علم کے تمام وسائل وسہولیات وافر مقدار میں موجود تھے۔ لیکن انسان کی زندگی سنوارنے، اس کی شخصیت کو نکھارنے، کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرانے اور زندگی کے مقصد سے آشنا کرانے میں سب سے اہم کردار مخلص اور قابل اساتذہ کا ہوتا ہے۔ مولانا کو عربی زبان سے شیفتگی اور اشتغال کو پروان چڑھانے میں ان کے اساتذہ کرام میں اہل حدیث اساتذہ کا سب سے زیادہ اور اہم رول رہا ہے جیسا کہ مولانا کی خودنوشت سوانح سے معلوم ہوتا ہے"رائے بریلی کے قیام میں عم محترم مولانا سید طلحہ صاحب سے پڑھنے کی نوبت آئی وہ صرف ونحو کے استاد ہی نہیں امام تھے، اور خاص طور پر اس کی مشق کرانے میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا، صحیح عبارت پڑھنے اور صرف ونحو کے ضروری مسائل کے جزو دماغ بن جانے میں ان کا بڑا دخل تھا۔ عربی زبان (صرف ونحو) کے علاوہ ان سے اور بھی بہت سارے علمی فوائد حاصل ہوئے اور ذہنی تربیت ہوئی، تاریخی شعور پیدا ہوا اور اس متنوع ثقافت میں سے کچھ حصہ ملا جس میں ان کو اپنے باکمال معاصرین میں بھی امتیاز حاصل تھا۔(۹)

مولانا سید طلحہ آپ کے پھوپھا تھے اور اورینٹل کالج لاہور میں عربی زبان وادب کے پروفیسر تھے، آپ عربی زبان کے ممتاز علماء میں سے تھے، علامہ میمنی سے گہرے روابط وابستہ تھے۔ اورینٹل کالج لاہور میں دونوں عربی کے درس وتدریس سے منسلک تھے، جس کی وجہ سے کالج کا یہ دور باب زریں کا درجہ رکھتا ہے۔ محمد راشد شیخ اس عہد کے بارے میں لکھتے ہیں: ''لاہور اس عہد میں حقیقتاً شہر علم وحکمت تھا، ہر شعبے کے صاحب علم وفضل یہاں موجود تھے جن میں عربی زبان کے فضلاء میں مولانا اصغر علی روحی، مولوی محمد شفیع اور مولانا سید طلحہ وغیرہ شامل تھے''۔ (علامہ عبدالعزیز میمنی، سوانح اور علمی خدمات، محمد راشد شیخ، ص، ۱۰۱)۔ اس دور کا ذکر علامہ میمنی کے شاگرد ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کرتے ہیں کہ"اتفاق سے ہر دو حضرات مولانا میمن اور سید طلحہ غیر مقلد تھے اور نہایت شوق وذوق سے ان سے پڑھتے تھے، دوران تشریح وہ نہایت نازک اور اہم نکات بیان کر جاتے، اسی طرح تشریح کے دوران بیسیوں عربی اشعار بیان کر جاتے۔ (نفس المصدر، ص 97)

خلیل عرب صاحب کی ہدایت اور ان کے مقرر کردہ نصاب کی روشنی میں سید طلحہ صاحب مولانا کو رائے بریلی میں عربی کی تعلیم دیتے تھے اور خلیل عرب صاحب ہی کے مشورہ سے اعلی تعلیم کے حصول کے لیے لکھنؤ کا رخت سفر باندھا جیسا کہ مولانا لکھتے ہیں: ''شفیق بھائی اور مشفق استاد خلیل عرب صاحب جو فیصلہ کرتے اس میں چوں وچرا کی گنجائش نہ تھی لیکن یہ فیصلہ بھائی صاحب کے مزاج کے خلاف تھا (وہ یونیورسٹیوں کے مشرقی امتحانات دینے کے طبعاً خلاف

تھے) اور غالباً انہوں نے عرب صاحب کے رجحان اور اصرار پر کیا جو لکھنؤ یونیورسٹی میں ایم اے، بی اے کے کلاسیز کو عربی پڑھاتے تھے''۔(۱۰)

مولانا کے والد کے انتقال کے بعد لکھنؤ میں قیام کا بہت بڑا مسئلہ درپیش تھا، بڑے بھائی طالب علم ہی تھے، معاش اور ذرائع آمدنی کا کوئی معقول انتظام وانصرام نہیں تھا خود بڑے بھائی صاحب کی تعلیم وتکمیل اور لکھنؤ میں قیام آسان نہیں تھا، مزید مولانا کی تعلیم اور قیام وطعام کا مسئلہ۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے فرزند نواب نورالحسن صاحب کا گھرانہ مدد کے لیے سامنے آیا، مولانا اور ان کے بڑے بھائی کو حصول علم کے لیے اپنی شاندار عالی شان کوٹھی کا ایک حصہ دے دیا اور انہیں اپنی اولاد کی طرح ہر طرح کی آسائش وآرائش فراہم کیا تاکہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کر سکیں۔

مولانا لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نواب نورالحسن خان صاحب مرحوم کی بیگم صاحبہ اور ان کے صاحبزادوں سید ظہور الحسن، سید نجم الحسن صاحباں کو اپنے شایان شان بدلہ دے اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے کہ انہوں نے عزیزوں سے بڑھ کر محبت وتعلق کا ثبوت دیا اور اپنی کوٹھی پر قیام کی پیشکش کی، ہاسٹل کے مصارف کی استطاعت نہ تھی، بھائی صاحب نے اس مخلصانہ ومحبانہ پیشکش کو قبول کیا، یکسوئی وانہماک کے ساتھ مطالعہ کرنے کے لیے ان حضرات نے اپنی عالی شان کوٹھی کا ایک حصہ جو کوٹھی سے علیحدہ بھی تھا بھائی صاحب کے حوالہ کر دیا''۔(۱۱)

لکھنؤ میں مولانا کی عربی تعلیم کا باضابطہ آغاز ہو جاتا ہے، اس کے لیے ان کے بڑے بھائی سید عبدالعلی صاحب نے ایسی شخصیت کے سپرد کیا جو عربی زبان وادب کی نشر واشاعت اور تدریس میں امامت کا درجہ رکھتی تھی اور پورے برصغیر ہندوپاک میں اس کی اشاعت میں بے پایاں خدمات انجام دیں، جن کی مساعئ جمیلہ سے پورے خطے میں عربی زبان کے درس وتدریس کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا، وہ شخصیت علامہ خلیل بن محمد بن حسین بن محسن انصاری کی تھی جو عرب صاحب کے نام سے مشہور ومعروف تھے، مولانا ندوی نے عرب صاحب کے خرمن علم وادب اور فکر ونظر سے جی بھر کر خوشہ چینی کی، اس جوہر کمال نے آپ کے سر پر عظمت کا وہ تاج سجایا جس کی جلوہ طرازیوں نے ان کی عربی زبان وادب کو چمکا دیا، مولانا ندوی لکھتے ہیں: ''ناچیز راقم کو خدا کے فضل سے بڑے بڑے کامل الفن اساتذہ کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن عربی زبان وادب کے ذوق سلیم وذوق صحیح پھر اس ذوق کو منتقل کرنے کی ایسی قابلیت نہ صرف ہندوستان (جو کہ صدیوں سے عربی کے مذاق سلیم سے ناآشنا اور صحیح طریقہ تعلیم سے محروم ہے) بلکہ ممالک عربیہ کے اعلیٰ علمی وادبی حلقوں میں بھی نہیں پائی''۔(۱۲)

عرب صاحب مولانا ندوی کی عربی تعلیم کا آغاز فَعَلَ فَعَلَا فَعَلُوْا سے کراتے ہیں، پھر عربی کی پہلی کتاب

المطالعة المصرية شروع کرائی، اس کے بعد مدارج القرأۃ اور الطریقة المبتکرة کے تین حصے پڑھائے، پھر عربی زبان وادب کی مشہور کتاب کلیلہ ودمنہ شروع کرادیا، یہ عرب صاحب کی خودساختہ تیار کردہ نصاب تعلیم اور طریقۂ تدریس تھا جو اعلیٰ تعلیمی تجربوں اور اجتہاد پر مبنی تھا، اسی طرح عرب صاحب مولانا کو مجموعة النظم والنثر پڑھاتے اور حفظ کراتے تھے، ادب کی متوسط کتابوں کے ختم ہونے کے بعد انہوں نے عرب صاحب سے دیوان الحماسة، لامية العرب، قصیدہ بانت سعاد، ابوالاعلیٰ المعری کا دیوان سقط الزند اور توفیق دیاب کی کتاب خلاصہ تاریخ آداب اللغة العربية، نہج البلاغہ اور مقامات حریری وغیرہ پڑھیں۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر مولانا ندوی کی زندگی میں عرب صاحب کی شخصیت، ان کی تعلیم وتربیت، ان کی سرپرستی اور سایہ عاطفت نہ ہوتا تو شاید مولانا کو عربی زبان وادب میں وہ شہرت ومقام حاصل نہ ہوتا۔ مولانا عرب صاحب کے ساتھ ایک واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں: ’’مستقبل میں میرے لیے عربی زبان وادب کا ذوق پیدا ہونے اور اس کے ذریعے سے دین وعلم کی خدمت کرنے کا فیصلہ کرادیا، اگر صورتحال اس کے برعکس ہوتی اور اس میں اپنے آپ کو بری اور مظلوم قرار دیتا اور اپنے محسن ومربی استاد کو حدود سے تجاوز کرنے والا تو شاید معاملہ برعکس ہوتا اور میں ہمیشہ کے لیے ان کے فیض تعلیم اور عربی زبان وادب میں کامیابی سے محروم ہوجاتا ہے۔ ذلک من فضل ربي ليبلوني أ اشكر أم اكفر.(۱۳)

یہ وہی عرب صاحب ہیں جن کے خاندان کو علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ہندوستان کی سرزمین پر آباد کیا، وہ اصلا یمنی تھے، سفر حجاز کے دوران ان کے دادا شیخ حسین بن محسن یمانی سے نواب صاحب کی ملاقات ہوئی جن کی غیر معمولی علمی لیاقت اور صلاحیت دیکھ کر اس قدر متأثر ہوئے کہ ان کو بھوپال آنے کی دعوت دی اور ہر طرح کی سہولیات فراہم کرانے کا وعدہ کیا اس طرح سے ہندوستان میں آپ کا ورود مسعود ہوا، جن کی آمد کی وجہ سے بھوپال علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ ان کے متعلق مولانا ندوی لکھتے ہیں کہ: ’’شیخ حسین بن محسن کے قیام نے بھوپال کو دارالحدیث اور شیراز ویمن کا ہمسر بنادیا، تقریبا ثلث صدی سے زائد موتی مسجد جو اس چھوٹے سے شہر میں تھی، جامعہ ازہر سے آنکھیں ملاتی تھی، قال اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں گونجتی رہیں اور نہ صرف بھوپال بلکہ ہندوستان کی فضا کو اس نفحۂ عنبریں سے معطر ومنور کرتی رہیں‘‘۔(۱۴)

عمر کے آخری مرحلے میں علامہ خلیل عرب پاکستان منتقل ہوگئے اور وہاں جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان سے منسلک ہوگئے اور مختلف اہل حدیث اداروں میں عربی زبان وادب اور عقیدہ ومنہج سلف کی تعلیم وترویج میں مشغول ہوگئے تھے۔ جن لوگوں نے مولانا ندوی کے حالات زندگی قلم بند کیے ہیں ان تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ مولانا کو عربی

زبان میں قدرت ودسترس علامہ خلیل عرب کی مرہون منت ہے اوران کی تحریری وقلمی صلاحیتوں کومہمیز لگانے اور عالم اسلام سے روشناس کرانے کا کام مشہور راسخ العقیدہ سلفی عالم دین ڈاکٹر تقی الدین ہلالی نے کیا جوکہ علم وتحقیق اور عربی زبان وادب کے عروج کمال پر جلوہ افروز تھے۔مولانا ندوی ان کے علمی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: وہ عالم عربی کے ممتاز ترین محقق،ادیب اورصرف ونحو میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ان کی بول چال اور عام تحریروں کی زبان پوری عربی دنیا میں اپنی صحت،سلامت، برجستگی اور عربی محاورات میں بے نظیر ہے۔(۱۵) مزید لکھتے ہیں:’’ علامہ موصوف عربی زبان کے ان گنے چنے اساتذہ وفضلاء میں سے ہیں جوسند کا درجہ رکھتے ہیں،ان کے اس امتیاز کے لیے اتنی شہادت کافی ہے کہ جب علامہ رشید رضا’’مدیر المنار‘‘ اورعلامہ امیر شکیب ارسلان مصنف’’حاضر العالم الاسلامی‘‘ کانحو وعربیت میں کسی مسئلے میں اختلاف ہوتا تو دونوں ہلالی صاحب کوحکم بناتے تھے‘‘۔(۱۶)

حوالہ جات

(۱)مولانا بلال عبدالحئ حسنی ندوی،مولانا حکیم سید عبدالحئ حسنی اورعلم حدیث، مجموعہ مقالات ہندوستان اورعلم حدیث تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں۔مرتب مولانا فیروز اختر ندوی، ناشر مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی،مظفر پوراعظم گڑھ،۲۰۱۲،ص:۱۴۷ (۲)نفس المصدر،ص:۱۴۷

(۳)مولانا سید ابوالحسن علی ندوی،حیات عبدالحئ رحمہ اللہ،ناشر سید احمد شہید اکیڈمی،، ۲۰۰۴ ص:۸۴

(۴)نفس المصدر،ص:۸۳-۸۴

(۵)مولانا ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ،حصہ اول،مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنؤ،ط۔ششم ۲۰۱۰،ص:۱۸۶۔۱۸۷

(۶)مولانا ابوالحسن علی ندوی،کاروان زندگی،حصہ اول،مکتبہ اسلام،گوئن روڈ لکھنؤ،ط۔سوم،۲۰۰۰،ص:۱۲۲

(۷)مولانا سید ابوالحسن علی ندوی،مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں،مرتب مولانا محمد عمران خان ندوی،مجلس نشریات اسلامی،ناظم آباد کراچی،ص:۱۶۱

(۸)صلاح الدین مقبول احمد، الأستاذ أبو الحسن الندوي: الوجه الآخر من كتاباته، غراس للنشر والتوزيع، الكويت، ط. الأولى، ۲۰۰۱، ص: ۲۵

(۹)مولانا ابوالحسن علی ندوی،کاروان زندگی،ص:۱۰۱ (۱۰)نفس المصدر،ص:۱۰۲

(۱۱)نفس المصدر،ص:۸۰ (۱۲)مولانا ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ،اول،ص:۱۸۶

(۱۳)مولانا ابوالحسن علی ندوی،کاروان زندگی،اول،ص:۹۲ (۱۴)مولانا ابوالحسن علی ندوی، پرانے چراغ، اول:۱۸۶ (۱۵)نفس المصدر،ص:۲۸۶-۲۸۷ (۱۶)مولانا ابوالحسن علی ندوی،کاروان زندگی،اول،ص:۱۱۶

”جمع بین الصلاتین“ کے شرعی اسباب

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ مدنی استاذ حدیث، جامعہ سلفیہ بنارس

اسلام ایک ایسا کامل اور جامع دین ہے جس کی بنیاد اعتدال، آسانی اور رفعِ حرج پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبادات کا پابند بنایا ہے، مگر ساتھ ہی ان حالات کا بھی لحاظ رکھا ہے جن میں معمول کے مطابق احکام پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ انہی رعایتوں میں سے ایک اہم رعایت ”جمع بین الصلاتین“ ہے، یعنی دو فرض نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کرنا۔ شریعت اسلامیہ نے اسے عام معمول نہیں بنایا بلکہ مخصوص حالات اور معتبر شرعی اسباب کے ساتھ مشروع قرار دیا ہے تاکہ اللہ کے بندے مشقت اور تنگی سے محفوظ رہیں اور نماز جیسی عظیم عبادت بھی ترک نہ ہو۔ اصل اصول یہی ہے کہ ہر نماز اپنے مقررہ وقت میں ادا کی جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ ”بے شک نماز مومنین پر مقررہ اوقات میں فرض کی گئی ہے“۔ [سورة النساء: 103]

البتہ بعض حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت دی، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا سبب: سفر

جمع بین الصلاتین کا سب سے مشہور اور متفق علیہ سبب ”سفر“ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسفار میں، خواہ وہ سفر جہاد کے لیے ہو یا حج و عمرہ کے لیے، حسبِ ضرورت ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع فرمایا کرتے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كان رسول الله ﷺ إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخَّر الظهر إلى وقت العصر، ثم نزل فجمع بينهما، وإذا زاغت الشمس قبل أن يرتحل صلى الظهر ثم ركب“۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب زوالِ آفتاب سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر کو موخر کر کے عصر کے وقت دونوں نمازیں جمع کرتے، اور اگر زوال کے بعد روانہ ہوتے تو پہلے ظہر ادا فرماتے، پھر سفر پر روانہ ہوتے“۔ [صحيح بخاري :1112، صحيح مسلم: 704]

اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

”خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك، فكان يصلي الظهر والعصر

جميعا، والمغرب والعشاء جميعا"۔ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نکلے،تو آپ ﷺ ظہر اور عصر کو اکٹھا (جمع کر کے) پڑھتے تھے، اور مغرب اور عشاء کو بھی اکٹھا (جمع کر کے) ادا فرماتے تھے''۔[صحیح مسلم: 706]

دوسرا سبب: شدید بارش

شدید بارش کی وجہ سے مسجد میں آنے والوں کو دشواری پیش آئے تو دو نمازوں کو جمع کرنا مشروع ہے۔جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

عن نافع،أن ابن عمر،أذن بالصلاة في ليلة ذات برد وريح، فقال:"ألا صلوا في الرحال"، ثم قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمر المؤذن إذا كانت ليلة باردة ذات مطر، يقول: "ألا صلوا في الرحال"۔ نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک سخت سردی اور تیز ہوا والی رات میں نماز کے لیے اذان دی، پھر فرمایا:"ألا صلوا في الرحال"۔ ''خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو''۔اس کے بعد فرمایا: رسول اللہ ﷺ موذن کو حکم دیا کرتے تھے کہ جب رات سرد ہو اور بارش ہو تو وہ اعلان کرے:"ألا صلوا في الرحال"-''خبردار! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو''۔[صحيح بخارى :666، صحيح مسلم: 697]

تیسرا سبب: شدید بیماری

جمہور اہلِ علم کے نزدیک اگر بیماری ایسی ہو کہ ہر نماز اپنے وقت میں ادا کرنا شدید مشقت کا باعث بن جائے تو دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے مستحاضہ عورت کو ظہر کے ساتھ عصر اور مغرب کے ساتھ عشاء جمع کر کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔تفصیل کے لیے دیکھیں:[سنن أبي داؤد:287، جامع ترمذي :128 ، ابن ماجه :627] امام ترمذی اور دیگر اہلِ علم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور استحاضہ بھی ایک قسم کی بیماری ہے۔اسی موقف کو متعدد فقہائے اسلام نے اختیار کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"القول بجواز الجمع بالمرض ظاهر مختار"۔ ''مرض کی وجہ سے جمع بین الصلاتین کے جواز کا قول ہی ظاہر،قوی اور پسندیدہ ہے۔[روضة الطالبين:401/1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الصواب أن الجمع لا يختص بالسفر الطويل، بل يجمع للمطر، ويجمع للمرض كما

جاءت بذلك السنة في جمع المستحاضة فإن النبي صلى الله عليه وسلم أمرها بالجمع في حديثين"۔ ''صحیح بات یہ ہے کہ ''جمع بین الصلاتین'' صرف طویل سفر کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بارش کی وجہ سے بھی دونمازیں جمع کی جاسکتی ہیں، اسی طرح بیماری کی وجہ سے بھی جمع کرنا جائز ہے، جیسا کہ مستحاضہ کے متعلق وارد سنت سے ثابت ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دومختلف احادیث میں مستحاضہ عورت کو دونمازیں جمع کرکے ادا کرنے کا حکم دیا ہے''[مجموع الفتاوی:26/24]

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فالمراد بالجمْع الجائز للعذر هو جمْعُ المسافر، والمريض، وفي المطر كما وردتْ بذلك الأدلَّة الصَّحيحة"۔ ''عذر کی بنا پر جائز جمع سے مراد وہ جمع ہے جو مسافر، مریض اور بارش کی حالت میں کی جائے، جیسا کہ اس بارے میں صحیح دلائل وارد ہوئے ہیں''۔[الدراري المضية:74/1]

علامہ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا يجوزُ الجمع إلَّا مِن عِلَّة، كالمطر على الصَّحيح، وكالمرض، وكالسفر، فإذا كان هناك عِلَّةٌ شرعيَّة، فلا بأسَ بالجمع"۔ ''جمع بین الصلاتین'' کسی شرعی عذر کے بغیر جائز نہیں۔ البتہ صحیح قول کے مطابق بارش، بیماری اور سفر کی وجہ سے جمع کرنا جائز ہے۔ لہٰذا جب کوئی شرعی عذر موجود ہو تو دونمازوں کو جمع کرکے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں''۔[فتاویٰ نور على الدرب :25/7]

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ولهذا يجوزُ الجمْعُ في المطر وأنت في البلد، ويجوزُ الجمْعُ للمرض وأنت في البلد"۔ ''اس بنا پر بارش کی صورت میں دونمازوں کو جمع کرنا جائز ہے، اگرچہ تم اپنے شہر میں ہو، اسی طرح بیماری کی وجہ سے بھی دونمازوں کو جمع کرنا جائز ہے، اگرچہ تم اپنے شہر میں ہو''۔[لقاء الباب المفتوح :رقم اللقاء: 129]

چوتھا سبب: شدید ضرورت یا غیر معمولی مشقت

اگر کوئی ایسی غیر معمولی ضرورت پیش آجائے جس میں ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرنا انتہائی دشوار ہو اور اسے معمول نہ بنایا جائے تو دونمازوں کو جمع کرنے کی گنجائش ہے۔ عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں:

جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر، والمغرب والعشاء بالمدينة، في غير خوف، ولا مطر قيل لابن عباس: ما أراد إلى ذلك؟ قال: "أراد أن لا يحرج أمته"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں بغیر خوف اور بغیر بارش کے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع فرمایا، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے کیا مقصد تھا؟ انہوں نے فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اپنی امت کو مشقت اور تنگی

میں نہ ڈالیں‘‘۔[صحیح مسلم :705]

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ جمع کسی عارضی ضرورت اور مشقت کی بنا پر تھی، اسے دائمی معمول بنانا مقصود نہیں تھا۔[شرح صحیح مسلم :219/5]

چنانچہ ایک مسلمان کسی خاص ضرورت کی حالت میں ’’جمع بین الصلاتین‘‘ کرسکتا ہے گرچہ وہ اپنے شہر میں، اپنے گھر میں موجود ہو۔ جیسے کہ اسپتالوں میں وہ ڈاکٹر حضرات جو مریضوں کا گھنٹوں گھنٹوں آپریشن کرتے ہیں۔ اوران جیسے دیگر افراد۔

پانچواں سبب: خوف وڈر

اس بارے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف ہے لیکن صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ ’’خوف‘‘ بھی مقیم شخص کے لیے دو نمازوں کو جمع کرنے کا ایک شرعی عذر ہے۔ جواز کے قائلین علماء نے اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر، نیز مغرب اور عشاء کو اس حال میں جمع کرکے ادا فرمایا کہ نہ کوئی خوف تھا اور نہ بارش‘‘۔[صحیح مسلم :705]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازوں کو جمع کرنے کے شرعی اعذار میں ’’خوف‘‘ بھی شامل ہے۔لہٰذا جب ایسا خوف پیدا ہوجائے کہ لوگوں کے لیے جماعت کے ساتھ ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت میں ادا کرنا دشوار ہو،توخوف کی بنا پر ان کے لیے دونمازوں کو جمع کرکے ادا کرنا جائز ہے۔جیسے دنگا،فساد کے حالات، کرفیو کے حالات، جنگ وغیرہ کے حالات۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:”والصواب:أنَّه لا حرجَ في الجمع بينهما عند وجود العُذر الشرعيِّ، جاز الجمعُ كما جمع النبي صلَّى اللهُ عليه وسلَّم في السَّفر، وفي الخوف، والمرض، يجوزُ الجمع، ولا بأس۔ وقال أيضًا: يجوزُ الجمع بعد الفراغ من الأولى إذا وُجِد شرطُه من خوفٍ، أو مطرٍ، أو مرض“۔ ’’درست اور راجح بات یہ ہے کہ جب کوئی شرعی عذر موجود ہوتو دونمازوں کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا ایسے عذر کی موجودگی میں جمع کرنا جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں نمازیں جمع فرمائیں، اوراسی طرح خوف اور بیماری کی حالت میں بھی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے،اس میں کوئی مضائقہ نہیں‘‘۔[فتاویٰ نور علی الدرب: 123/13- 124]

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ’’پہلی نماز ادا کرنے کے بعد اگر جمع کرنے کا شرعی عذر موجود ہو، جیسے خوف، بارش یا بیماری،تو دونمازوں کو جمع کرنا جائز ہے‘‘۔[مجموع فتاویٰ ابن باز:294/12]

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الجمع له ميزان، وهو المشقَّة, فإذا شقَّ على الإنسان أن يُفرِدَ كلَّ صلاة في وقتها، فله الجمع؛ لحديث ابن عبَّاس رضي الله عنهما قال: جمَع رسولُ الله صلَّى اللهُ عليه وسلَّم بين الظُّهر والعصر, والمغرب والعشاء, بالمدينة، في غير خوفٍ ولا مطرٍ. قيل لابن عباس: ما أرادَ إلى ذلك؟ قال: أراد أنْ لا يُحْرِجَ أمَّتَه؛ فهذا يدلُّ على أنَّ مدار الجمع على الحرَجِ والمشقَّة. ويجوزُ لهم الجمع ولو بقُوا عدَّةَ سنوات، ولا أعلمُ في هذه سُنَّةً سوى حديث ابنِ عباس السابق, وهو قاعدةٌ عامَّة، وهي المشقَّة؛ فإنه يجوز الجمعُ سواءً في الحرب أو في السِّلم, وفي الحضر والسفر“. ”جمع بین الصلاتین کا اصل معیار مشقت ہے۔لہٰذا جب کسی شخص کے لیے ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت میں الگ الگ ادا کرنا دشوار ہو جائے، تو اس کے لیے نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر، نیز مغرب اور عشاء کو اس حال میں جمع فرمایا کہ نہ خوف تھا اور نہ بارش۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ ﷺ کا اس سے کیا مقصد تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ نے یہ اس لیے کیا تاکہ اپنی امت کو مشقت اور تنگی میں نہ ڈالیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع کی بنیاد حرج اور مشقت پر ہے۔ اگر یہ مشقت طویل مدت تک بھی باقی رہے، حتیٰ کہ کئی سال تک، تب بھی ایسے لوگوں کے لیے نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ اس مسئلے میں میرے علم کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہی حدیث اصل سنت اور عمومی ضابطہ ہے، اور وہ ضابطہ مشقت ہے۔ لہٰذا جب بھی مشقت پائی جائے، خواہ جنگ ہو یا امن، حضر ہو یا سفر، نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے“۔[مجموع فتاویٰ ورسائل العثیمین: 383/15]

محترم قارئین! مذکورہ دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ ”جمع بین الصلاتین“ شریعت کی ایک عظیم سہولت اور رخصت ہے، اور حالات وظروف کی وجہ سے اس میں جمعِ تقدیم اور جمعِ تاخیر دونوں صورتیں جائز ہیں۔ لیکن یہ رخصت صرف انہی اسباب کے ساتھ مشروع ہے جن پر قرآن وسنت سے دلیل موجود ہو۔ ان اسباب میں سفر، بارش، بیماری اور شدید ضرورت یا غیر معمولی مشقت، خوف وڈر شامل ہیں۔ اس کے برعکس بلا عذر محض سہولت یا سستی کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں، بلکہ جو شخص بغیر کسی شرعی عذر کے نماز کو اس کے مقررہ وقت سے موخر کرتا ہے، وہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل حکم یہی ہے کہ ہر نماز اپنے مقررہ وقت میں ادا کی جائے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نماز کے اوقات کی حفاظت کرے اور صرف شرعی عذر کی موجودگی ہی میں اس رخصت سے فائدہ اٹھائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے مگر اس کی حدود بھی مقرر فرمائی ہیں“۔

قسط:(24)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اوران کی کتابوں کا تعارفی سلسلہ

ابو یوسف آفاق احمد السنابلی المدنی

''أمراض القلوب وشفاؤها'' کا تعارف پیش خدمت ہے:

یہ رسالہ مجموع الفتاویٰ دسویں جلد صفحہ 91 سے 137 تک پر ہے۔دیکھیں:(أمراض القلوب وشفاؤها 10/ 91 - 137 مجموع الفتاوى:(المقدمة/ 2)

یہ رسالہ درج ذیل امور پر مشتمل ہے۔

(۱)دل کی اقسام(۲)قلب سلیم کا مفہوم(۳)دل کی بیماری کی اقسام واسباب کا بیان(۴)دل کے بگاڑ کا معنیٰ اوراس کی سختی کے اسباب(۵)دل کی زندگی کا مفہوم اوراس کے آثار(۶)دل کی بیماریاں،جیسے جہالت،شک،حسد،کبر،شہوت،غضب،عشق وغیرہ(۷)دل کی بیماریوں کی شفایابی کے اسباب اور طریقے(۸)دل کی درستی کے اسباب وعلامات(۹)دل کی صفائی کا مطلب اوراس کے اسباب وآثار(۱۰)دل کے ادھرادھر الٹنے پلٹنے پر تحذیر اور دین پر ثابت قدمی کے اسباب۔

فوائد علمیہ:

(۱)دل کو اللہ نے اپنی محبت اور عبادت کے لیے بنایا ہے اور جب دل میں اللہ کی محبت ہوگی تو وہ کسی اور کی محبت کی طرف مائل نہیں ہوگا۔

(۲)حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دل کی چار قسمیں ہیں۔ایک بے داغ وروشن دل جس میں چمکتا ہوا چراغ ہے،یہ مومن کا دل ہے۔ایک غلاف شدہ دل(ڈھکا ہوا دل)یہ کافر کا دل ہے۔ایک اوندھا دل،یہ منافق کا دل ہے۔اورایک ایسا دل جس میں دو مادے(عنصر)ہیں:ایک مادہ اسے ایمان کی غذا دیتا ہے اور دوسرا مادہ اسے نفاق کی غذا فراہم کرتا ہے،یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی اور بدی دونوں طرح کے اعمال کرتے ہیں۔

(۳)دل کے مردہ ہونے کا سب سے بڑا سبب شرک ہے۔

(۴)مردہ دل کی ایک پہچان یا علامت یہ ہے کہ وہ اس بات کو قبول نہیں کرتا ہے جو اسے زندگی عطا کرے،وہ نفع بخش بات کو نہیں سنتا ہے،وہ اسے نفع پہنچانے والی چیزوں کو دیکھتا نہیں ہے۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔﴿صمّ بكم عمي فهم لا يعقلون﴾''وہ بہرے،گونگے اور اندھے ہیں،انہیں عقل نہیں''۔(البقرة:171)

(۵)دل کی زندگی توحید سے ہی ممکن ہے،توحید دل سے اللہ کے سوا ہر چیز کا ڈر ختم کردیتا ہے۔حکم الٰہی کی بجا آوری

سے دل شہوات اور شیطان کی پیروی سے محفوظ رہتا ہے۔

﴿أومن كان ميتا فأحييناه﴾ ترجمہ: ”ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا“۔(الانعام :122)

أي: بتوحيد الله .یعنی: اللہ کی توحید کے ذریعہ۔

﴿استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم﴾

”تم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو بجالاؤ۔ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں“۔ (الانفال:24)

(۶) دل کی عمومی بیماریوں میں سے ایک بیماری حسد ہے، جس کا اکثریت شکار ہے۔

(۷) جس کسی کے دل میں کسی کے تعلق سے حسد پیدا ہو تو اسے لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہیے، بلکہ فوراً اس کے لیے برکت کی دعا کرنی چاہیے، اور اس حسد کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا چاہیے، خوف الٰہی کے سبب حسد سے متعلق کوئی بات یا عمل ہرگز نہ انجام دے۔

(۸) جس کے تعلق سے دل میں حسد پیدا ہو، اس کی اپنے طاقت کے بقدر قولی و عملی طور پر مدد کرنا چاہیے۔

(۹) محسود کے پاس نعمت کی موجوگی سے حاسد تکلیف میں رہتا ہے، جب وہ نعمت اس سے چھن جاتی ہے تو حاسد کو راحت ملتی ہے۔ گویا کہ محسود سے زوال نعمت کے سبب حاسد کو سکون ملتا ہے گرچہ اس میں اسے کچھ فائدہ نہ ہو۔

(۱۰) بخیلی یا کنجوسی ایک مہلک بیماری ہے، جو انسان کو حقوق کے ادائیگی اور دوسروں کے ساتھ احسان کرنے سے مزید بہت سارے خیر کے کاموں سے روک دیتی ہے۔

(۱۱) کامیابی کے اسباب میں بخیلی کو ترک کرنا بھی ہے۔

(۱۲) عبدالرحمٰن بن عوف طواف میں اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے، (اللهم قني شُحّ نفسي) ”اے اللہ تو مجھے نفس کی بخالت سے بچائے رکھنا۔ ایک شخص نے کہا کہ اکثر آپ یہ دعا کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا اگر تم نفس کی بخالت سے بچالئے گئے تو سمجھو کہ تم ظلم اور قطع رحم سے بھی بچالئے گئے۔

(۱۳) کبر کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۱۴) عشق ایسا مرض ہے جو انسان کے دین وعزت دونوں کو تباہ کردیتا ہے، اس کے بعد پھر اس کے عقل اور جسم دونوں کو خراب کردیتا ہے۔

(۱۵) مرض کے ختم ہونے پر ہی انسان صحتیاب ہوتا ہے، مرض عشق میں مبتلا شخص سے عشق کا خاتمہ اسی وقت ہوتا

ہے جب اس کے دل سے مذموم محبت ختم ہوجاتی ہے۔

(۱۶)دل کوشفا قرآن کے ذریعہ سے ملتی ہے، دلوں میں موجود شکوک وشبہات جیسی بیماریوں کا خاتمہ قرآن سے ہی ممکن ہے۔

(۱۷)بدن سے زیادہ دل کوخوراک اورتوجہ کی ضرورت ہے، بدن کے خوراک سے زیادہ دل کا خوراک اثرانداز ہوتا ہے۔

(۱۸)ایمان کے ذریعہ دل کوصحتیابی حاصل ہوتی ہے۔

(۱۹)اطاعت وبندگی سے ایمان بڑھتا ہے اور گناہ ونافرنی سے ایمان گھٹتا ہے۔

(۲۰)تلاوت قرآن اوراس کی آیتوں پرتدبر وتفکر کرنا یہ دل کی درستی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(۲۱)دل کی درستی کا ایک بڑا سبب صبر بھی ہے، جس کی چند قسمیں ہیں، اطاعت الٰہی پر صبر، گناہوں سے خود کو روک کر کے صبر کرنا، تقدیر کے اچھے اور برے ہونے پر صبر کرنا۔

(۲۲)مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، تنگی کے بعد کشادگی ہے، دشواری کے بعد آسانی ہے۔

(۲۳)دل کی درستی کا ایک سبب شکرگزاری بھی ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ نیک اعمال کی مزید توفیق ملتی ہے۔

(۲۴)شکرگزاری کے ذریعہ اللہ عذاب کو بھی ختم کردیتا ہے۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ما يفعل الله بعذابكم إن شكرتم وآمنتم﴾

’’اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکرگزاری کرتے رہو اور باایمان رہو‘‘۔(النساء:147)

(۲۵)شکر کے سبب اللہ مزید اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وإذ تأذّن ربكم لئن شكرتم لأزيدنّكم﴾

’’اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کردیا کہ اگر تم شکرگزاری کروگے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا‘‘۔ (ابراهيم:7)

شروحات:

1-أمراض القلوب وشفاؤها* لشيخ الاسلام ابن تيمية،شرح وبيان فضيلة الشيخ الدكتور ياسر برهامي

جاری.....

(قسط ثانی)

کتب ستّہ سے ہم کیسے مستفید ہوں؟

لکچراز شیخ: عبدالمحسن بن حمد العباد البدر حفظہ اللہ، یہ لیکچر انہوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پیش کیا تھا۔
ترجمہ: صہیب حسن بن فضل حق مدنی مبارکپوری (لکچرر جامعۃ الہند الاسلامیہ منی اولی مالا پورم پرالا)

(۱) صحیح البخاري امام بخاری کی صحیح سنت کی کتابوں میں سب سے صحیح کتاب ہے،اس کا موضوع وہ حدیثیں ہیں جن کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے۔امام بخاری کی منشا یہ تھی کہ ان کی کتاب روایت ودرایت یعنی حدیث وفقہ دونوں کو شامل ہو۔یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے ایسا طریقۂ تالیف اپنایا جو اس طریقے سے ممتاز ٹھہرا جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں اپنایا ہے۔امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حدیثوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور اُن کو الگ الگ کر کے مختلف ابواب کے تحت لاتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ ترجمۃ الباب پر استدلال کرسکیں۔متعدد مقامات پر حدیثوں کے تکرار کے باوجود امام بخاری کسی مقام کو اسنادی یا متنی فائدے سے خالی نہیں چھوڑتے وہ اس طرح کہ جب وہ حدیث کو دوبارہ لاتے ہیں تو جس شیخ سے اسے ذکر کیا تھا اُس کے بجائے دوسرے شیخ سے ذکر کرتے ہیں۔اس سے حدیث کے تعدد طرق کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔جن حدیثوں کا تکرار سند ومتن دونوں کے ساتھ ہوا ہے وہ بہت تھوڑی سی یعنی بیس سے کچھ زائد ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۱/ ۳۴۰) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہی بات کشف الظنون (۱/ ۳۶۳) میں بھی ہے۔میں نے اپنی کتاب ”الفوائد المنتقاة من فتح الباري وكتب أخرى“ میں ان احادیث کے مقامات کی فائدہ نمبر (۲۵۴) میں صراحت کردی ہے۔

امام بخاری نے حدیثوں کو ابواب پر متفرق کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس سے بعض حدیثوں کے متعلق یہ سمجھا گیا کہ وہ اپنے مقام میں مذکور نہیں ہے۔

چنانچہ بعض علماء کو بعض احادیث کی بابت یہ گمان ہوا کہ کتاب اس سے خالی ہے۔جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ کے ساتھ مستدرک میں یہ معاملہ پیش آیا کہ انہوں نے کئی حدیثوں کے بارے میں امام بخاری پر استدراک کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ انہوں نے یہ حدیثیں ذکر ہی نہیں کی ہیں، حالانکہ وہ سب صحیح بخاری میں موجود تھیں۔اس کی مثالوں میں وہ حدیث ہے جسے بخاری نے (۲۸۴) كتاب الإجارة کے اندر عَسْبُ الفحل سے ممانعت کے بیان میں روایت کیا ہے۔حاکم نے حدیث کی بابت بخاری پر استدراک کیا اور وہم کا شکار ہو گئے۔حافظ ابن حجر حدیث کی شرح میں

لکھتے ہیں: حاکم حدیث کے استدراک میں وہم میں پڑ گئے ہیں حالانکہ وہ بخاری میں موجود ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، گویا انہوں نے جب کتاب البیوع میں حدیث کو نہیں پایا تو انہیں یہ وہم ہو گیا کہ بخاری نے اس کی تخریج ہی نہیں کی ہے۔

جہاں تک فقہ بخاری کی بات ہے تو وہ موصوف کے قائم کردہ اُن تراجم ابواب سے واضح ہے جن کا وصف حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ان تراجم ابواب نے افکار کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور عقلوں اور نگاہوں کو تعجب میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ بعجلت حاصل ہونے والے نہیں اور نہ اُن کی مثال ہے۔ امام بخاری ان میں اپنی باریک بینی کی وجہ سے اپنے ہمسروں میں الگ شان کے مالک ہیں اور ان میں اپنی محققانہ نظر کی وجہ سے اپنے ہمسروں کے درمیان منفرد شہرت کے حامل ہیں۔

تراجم ابواب میں امام صاحب کی دقت و باریک بینی کی مثالوں میں سے کتاب الإجارۃ میں اُن کا یہ قول ہے: ”اس بات کا بیان کہ آدمی جب کسی مزدور کو مزدوری پر رکھے تا کہ وہ اس کے لیے تین دن یا ایک مہینہ یا ایک سال بعد کام کرے تو ایسا کرنا جائز ہے درآں حالیکہ جب مدت معینہ آجائے تو وہ دونوں اپنی اپنی شرط پر قائم ہوں“۔ اس ترجمہ سے مقصود یہ ہے کہ اجارہ (کسی کو مزدوری پر رکھنے) کی مدت میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی کہ وہ معاملہ طے کرنے کے وقت سے متصل ہو (بلکہ دونوں کے درمیان فاصلہ بھی رکھا جا سکتا ہے)۔ اس ترجمہ کے تحت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (۲۲۶۴) لائے ہیں جو اِس بات کے بیان میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بنی دیل کے ایک شخص کو بطور ماہر رہنما کے اجرت پر رکھا تھا اور دونوں حضرات نے اپنی اپنی اونٹنیاں اُسے دے کر تین رات کے بعد غار ثور پر ملاقات کرنے کا اُس سے وعدہ لیا تھا۔

امام بخاری کا اپنی صحیح میں ایک منہج یہ ہے کہ وہ حدیث کو ایک مقام میں دو سندوں کے ذریعہ دو شیخ سے روایت کرتے ہیں اور متن کو ان دونوں شیخوں میں سے دوسرے سے ذکر کرتے ہیں۔ حافظ نے فتح (۴۳۶/۱) ہی میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: ”کہ امام بخاری کے منہج کو اچھی طرح پرکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ حدیث کو ایک (شیخ) کے علاوہ سے ذکر کرتے ہیں تو لفظ اخیر والے کا ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

امام بخاری کا ایک منہج صحیح میں یہ بھی ہے کہ جب اُن پر قرآن کے کسی کلمہ کے موافق کوئی لفظ گزرتا ہے تو وہ اس قرآنی کلمہ کی بھی تفسیر کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے قرآن وحدیث دونوں کے غریب الفاظ کی تفسیریں جمع کر دی ہیں، حافظ نے فتح کے متعدد مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بطور مثال جلد: ۳، صفحات ۱۹۶، ۳۲۴، ۳۴۳ کو ملاحظہ کریں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو صحیح بخاری میں امام صاحب کے منہج اور ان کی اصطلاحات کی معرفت میں تمکن حاصل ہے۔ اس بابت میں نے کتاب "الفوائد المنتقاة من فتح الباري وكتب أخرىٰ"، میں از فائدہ نمبر (۲۲۶) تا فائدہ نمبر (۲۸۴) در بہت سی مفید باتیں بیان کردی ہیں۔

صحیح بخاری کی اپنی اہمیت کی وجہ سے مختلف زمانوں میں اُسے علماء کی توجہ حاصل رہی ہے۔ اس کتاب کی خدمت کی جنہیں توفیق حاصل ہوئی ہے اُن میں سرفہرست حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی (۸۵۲ھ) ہیں جنہوں نے اس کی عمدہ اور وسیع شرح کی ہے۔ انہوں نے اپنے متقدمین علماء سے اخذ کیے ہوئے اقتباسات اور حسب توفیق الٰہی اس عظیم کتاب سے حاصل شدہ فہم واستنباط کو اپنی اس شرح میں جمع کیا ہے جو فتح الباری کے نام سے معروف ہے۔ اور اُن کے سابقین اور لاحقین کے درمیان حدِّ فاصل سمجھی جاتی ہے۔ جو اُن سے متقدم تھے اُن سے انہوں نے جمع کیا اور جو اُن کے بعد آئے اُن کے لیے یہ کتاب مرجع ثابت ہوئی، یہ کتاب مصر کے المطبعة السلفية سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے پہلے تینوں اجزاء پر ہمارے شیخ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی بڑی عمدہ تعلیق ہے(1) کتاب کی اس طباعت میں شیخ محمد فؤاد عبدالباقی کی ترقیم (نمبرنگ) ثبت کی گئی ہے۔ اُن کی ترقیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار جب کسی حدیث کا ذکر آتا ہے تو اُسی ایک جگہ پہلے مقام میں دیگر مقامات میں مذکور اُس حدیث کے نمبروں کو ذکر کر دیتے ہیں۔ لیکن بعد کے مقامات میں حدیث کے پہلے نمبرنگ والے مقام کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ حافظ ابن حجر حدیث کے بعد والے مقامات میں اس کی شرح کرتے ہوئے اُس کے سابقہ مقامات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس طرح اُن کی اس کتاب کی بدولت حدیث کے پہلے مقام کی طرف رہنمائی ممکن ہو جاتی ہے، اور رضوان محمد رضوان کی، "فهارس البخاری" کی طرف رجوع کرنے سے بھی یہ چیز ممکن ہے کیونکہ جب وہ حدیث کے تکرار والے مقامات سے گزرتے ہیں تو یہ صراحت کرتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں فلاں نمبر میں ملاحظہ کر لی جائے اور اُس کتاب کی طرف مع اُس کے نمبر کے اشارہ کرتے ہیں جس میں پہلی بار حدیث کا ذکر آیا ہوا ہے۔ صحیح بخاری میں کتابوں کی تعداد ستانوے (۹۷) ہے اور تکرار کے ساتھ حدیثوں کی تعداد شیخ محمد فؤاد عبدالباقی کی ترقیم کے مطابق سات ہزار پانچ سو تریسٹھ (۷۵۶۳) ہے اور بائیس (۲۲) حدیثیں ثلاثی ہیں۔

---

(1) میں نے یہ لیکچر بیس سال پہلے دیا تھا۔ اس سال (۱۴۲۳ھ) اور میں زیور طباعت سے آراستہ کرنے کے لیے اس کی تحریر عمل میں آئی۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ۲۷ محرم ۱۴۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۲) صحیح مسلم امام مسلم کی صحیح صحت میں امام بخاری کی صحیح کے بعد ہے، مسلم رحمہ اللہ نے اس کی ترتیب پر توجہ دیتے ہوئے ایک موضوع سے متعلق حدیثوں کو جمع کر کے ایک مقام پر درج کیا ہے اور دیگر مقامات پر اُن حدیثوں کا تکرار کتاب کے حجم کے اعتبار سے کم ہے۔ اگر چہ انہوں نے اپنی کتاب کے ابواب قائم نہیں کیے لیکن وہ تبویب کے حکم میں ہیں کیونکہ انہوں نے ایک موضوع کی حدیثوں کو ایک مقام پر جمع کیا ہے۔

امام مسلم کی صحیح کا امتیاز یہ ہے کہ اُس میں حدیثیں ٹکڑے ٹکڑے اور بالمعنیٰ روایت کیے بغیر جوں کی توں اپنی سند اور متن کے ساتھ ذکر کر دی گئی ہیں۔ روایت کے الفاظ کی حفاظت کی گئی ہے، الفاظ کس راوی کے ہیں اور کس نے حدثنا اور کس نے اخبرنا کے ساتھ روایت کیا ہے، ان سب کی صراحت کر دی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر اپنی کتاب ''تہذیب التھذیب'' کے اندر امام مسلم کے ترجمہ میں اُن کی صحیح کی عمدہ ترتیب کے ذکر میں کہتے ہیں:

''میرا کہنا ہے کہ امام مسلم کو اپنی کتاب کے سلسلے میں جو وافر اور بڑا نصیبہ حاصل ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا بایں طور کہ بعض لوگ اُسے محمد بن اسماعیل کی صحیح پر فضیلت دیتے ہیں۔ اِس کی وجہ اُس کے یہ خصائص ہیں کہ وہ طرق کی جامع اور عمدہ سیاق والی ہے، اسی طرح حدیثوں کے ٹکڑے ٹکڑے اور معنیٰ کی روایت کیے بغیر وہ بعینہٖ الفاظ کی ناقل ہے۔

نیسا پور کے کچھ لوگوں نے ان کے منہج تالیف کو اپنایا لیکن اُن کے طرز اور انداز کو نہ پہنچ سکے۔ اُن میں بیس سے زائد ائمہ میرے علم میں ایسے ہیں جنہوں نے مسلم پر مستخرج تصنیف کی ہے۔ پس عطا کرنے اور ہبہ کرنے والے کی تسبیح اور پاکی ہے۔

شیخ محمد فؤاد عبد الباقی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی پیشکش کی طرف توجہ کی اور اس کی متعدد تفصیلی فہرست تیار کی۔ اُن کی اس خدمت کے ساتھ کتاب چار جلدوں میں طبع ہوئی۔ شیخ نے کتاب میں امام نووی رحمہ اللہ کے قائم کیے گئے تراجم ابواب کو درج کیا ہے جو کہ امام مسلم کا عمل نہیں ہے۔ انہوں نے اُس کی اصل حدیثوں کی نمبرنگ کی ہے جو تین ہزار تینتیس (۳۰۳۳) تک پہنچتی ہے۔ صحیح مسلم کی کتابوں کی مجموعی تعداد چون (۵۴) ہے۔

شیخ محمد فؤاد عبد الباقی کے تیار کیے ہوئے نسخے کی پانچویں جلد کتاب کی متنوع و مفصل فہرستوں پر مشتمل ہے۔ صحیح مسلم کی اعلیٰ سندیں رباعیات ہیں۔

جاری۔۔۔۔

مایوسی کے لمحات

ازقلم: سفیان احمد ریاض الدین سلفی (استاد جامعہ رحمانیہ نڈیاد گجرات)

انسانی زندگی خوشی وغم، تکلیف وراحت اور آلام وآرام کا ایک ایسا گلشن فانی ہے جس میں چین وسکون اور پریشانی و مشکلات ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہیں جس کو نبیل عوضی کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ:”إنها دار بلاء، دار محن، دارمصائب، دارکرب“ ”دنیا آزمائش، امتحانات، پریشانی اور تکلیف کا گھر ہے“۔[دروس للشيخ نبيل العوضي 4/31]

مصائب کی دشوار گزار راہ پر چلتے ہوئے شریعت اسلامیہ صبر وشکر، توکل علی اللہ اور استقامت کی تعلیم دیتے ہوئے رجاء مع الخوف کو لازم پکڑنے کی تاکید بھی کرتی ہے لیکن پھر بھی ابن آدم بعض حالات میں رحمان ورحیم جیسی صفات سے متصف ذات سے مایوس وناامید نظر آتا ہے۔ مایوسی کے لمحات پر روشنی ڈالنے سے پہلے بنیادی طور پر چند باتوں کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) دنیا ابتلا وآزمائش گاہ ہے جس سے راہ فرار نہیں ہے: جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُم بِشَيۡءٖ مِّنَ ٱلۡخَوۡفِ وَٱلۡجُوعِ وَنَقۡصٖ مِّنَ ٱلۡأَمۡوَٰلِ وَٱلۡأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾ [البقرة:155] ”اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے، اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو“۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:”الدنيا وضعت للبلاء. فينبغي للعاقل أن يوطن نفسه على الصبر“۔ ”دنیا آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے لہذا عقلمند کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ صبر کو اپنا وطن یعنی رہائش گاہ بنا لے“۔[صيد الخاطر 399/1 ابن الجوزي (ت 597)]

(۲) مایوسی انسانی فطرت میں داخل ہے: اللہ کا فرمان:﴿لَّا يَسۡـَٔمُ ٱلۡإِنسَٰنُ مِن دُعَآءِ ٱلۡخَيۡرِ وَإِن مَّسَّهُ ٱلشَّرُّ فَيَـُٔوسٞ قَنُوطٞ﴾[فصلت: 49] ترجمہ: بھلائی کے مانگنے سے انسان تھکتا نہیں اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔

(۳) مایوسی کفر ہے: فرمان الٰہی ہے:﴿إِنَّهُ لا يَيْأَسُ مِن رَوْحِ اللَّهِ إِلا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾[يوسف:87]

ترجمہ: یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ناامیدی کو اہل ضلال کی پہچان بتلائی گئی ہے۔﴿وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾[الحجر:56] ترجمہ: اوراپنے رب کی رحمت سے ناامید توصرف گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں۔

ابوقلابہ کہتے ہیں کہ ایک شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ہلاک ہوگیا میرے لیے توتوبہ ہی نہیں ہے، چنانچہ ایسا شخص رحمت الٰہی سے مایوس ہوجاتا ہے اور گناہ میں منہمک ہوجاتا ہے حالانکہ اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا ہے۔[تفسير البغوي - إحياء التراث 240/1 ــــ البغوي، أبو محمد (ت 516]

(۴) مایوسی گناہ کبیرہ ہے: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور سوال کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کبیرہ گناہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الشِّرْكُ بالله، واليأس من رَوْح الله، والقنوط من رحمة الله، والأمن من مكر الله، وهذا أكبر الكبائر۔ ’’اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور رحمت الٰہی سے مایوس ہونا اور اللہ کے مکر سے خود کو مامون سمجھنا یہ کبیرہ گناہ ہے‘‘۔[رواه الطبراني و حسنه الألباني رحمه الله في صحيح الجامع (4603)]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کبائر کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:"القنوط من رحمة الله"۔’’اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا (بھی) کبیرہ گناہ ہے‘‘۔[مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين لابن القيم]

مایوسی کے لمحات:

(۱) گناہوں کی کثرت: کثرت سے گناہوں کا ارتکاب کرنا ایک گنہگار کو مغفرت اور بخشش سے مایوس کردیتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے وعظ ونصیحت کی جائے تو بول پڑتا ہے کہ زندگی تو گناہوں میں گزری ہے ایک گناہ اور سہی، اللہ معاف کرے گا بھی یا نہیں وغیرہ۔اس طرح کی باتیں رحمت الٰہی کی وسعت سے عدم معرفت اور لاعلمی کی وجہ سے انسان کہتا ہے کیوں کہ خالق و مالک کا اعلان تو یہ ہے کہ:﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًاۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ﴾ [الزمر:53]

ترجمہ: کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے واقعی وہ بڑی بخشش، بڑی رحمت والا ہے۔

صحیح مسلم میں مذکور ننانوے قاتل کی توبہ اور مغفرت کا واقعہ ناامید حضرات کو مایوسی سے باہر نکالنے اور مغفرت کی راہ دکھانے کے لیے کافی ہے۔[صحيح مسلم - ت عبد الباقي:2118/8مسلم (ت261)]

(۲) اولاد کا نہ ہونا: اولاد ایک ایسی نعمتِ بیش بہا ہے کہ جس کے نہ ملنے پر انسان شرک کے دلدل تک پہنچ جاتا ہے،

سماج میں اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ازدواجی زندگی سے منسلک ہونے کے بعد اولاد کی محرومی انسان کی نہ صرف چین و سکون چھین لیتی ہے بلکہ بعض دفعہ وہ شرک کی راہ بھی اختیار کرلیتا ہے۔ایسے حضرات کو صبر وضبط دلانے کے لیے سیرتِ ابراہیم وزکریا علیہما السلام اس مناسبت سے بہترین نمونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔جن کو ایک ایسی عمر میں اولاد کی نعمت عطا کی گئی جس میں ظاہری وباطنی طور پر اولاد کی ساری امیدیں ٹوٹ جایا کرتی ہیں۔

(3)رزق میں تنگی: انسانی زندگی کے تحفظ وبقا کا راز رزق میں مضمر ہے اور رزق کی ذمہ داری رب ذوالجلال نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔اور یہ نظام ربانی ہے کہ وہ ہر کسی کو روزی دیتا ہے،کسی کو کم کسی کو زیادہ۔لیکن چونکہ انسانی فطرت میں مال کی کثرتِ طلب اور طمع رچی بسی ہے بلکہ انسان مال وزر کا ایسا حریص ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ:’’اگر ابن آدم کو مال کی دو وادیاں دے دی جائیں تو تیسرے کا طلبگار ہوگا‘‘۔[صحيح البخاري -92/8 البخاري (ت 256)]

مال کا ایسا لالچی انسان اگر اسے چاہت کے بقدر رزق یا دولت نہ ملے تو رحمت الٰہی سے مایوس نظر آتا ہے جس سے شریعت اسلامیہ بڑی سختی کے ساتھ منع کرتی ہے۔

(۴)شفا نہ ملنا: شدت ورخا انسانی زندگی کا اٹوٹ حصہ ہے،صحت وتندرستی تو کبھی بیماری،زیستِ انسانی کا لازمہ ہے،مسلسل مرض میں مبتلا شخص رحمت خداوندی سے مایوس ہوجاتا ہے جو کہ قرآنی اصول کے خلاف ہے،سیرتِ ایوب علیہ السلام کو پڑھنے کے بعد صبر وضبط کی ایک الگ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور تعجب تب ہوتا ہے جب حصول شفا کی خاطر انسان پیر وفقیر تک کے دروازے پر دستک دیتا ہے جو کہ باعث ہلاکت ہے۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:’’الْهَلَاكُ فِي اثْنَتَيْنِ: الْقُنُوطِ وَالْعُجْبِ‘‘۔’’ہلاکت دو چیزوں کے سبب ہوگی:ناامیدی اور خوش فہمی‘‘۔[الكبائر لمحمد بن عبد الوهاب:5/1 محمد بن عبد الوهاب (ت 1206) ((حلية الأولياء)) لأبي نعيم (298/7)

مذکورہ لمحات کے علاوہ اور بھی بہت سارے لمحات ہیں جہاں ایک انسان اس ذات سے مایوس ہوجاتا ہے جس کے پاس رحمت کے ننانوے حصے ہیں،لہٰذا ایک انسان کو اللہ کی ذات سے رحمت کی امید رکھتے ہوئے صبر وتحمل کا پیکر بن کر زندگی بسر کرنا چاہیے نیز تقدیر پر ایمان رکھتے ہوئے’’رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا‘‘[موارد الظمآن لدروس الزمان:167/1] کا مصداق ہونا چاہیے۔علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا کہ:

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم وعرفاں ہے   امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں   (اقبال)

اخیر میں دعا ہے الٰہی ہم سب کو پیکر صبر ورضا کا مجسم بنا۔آمین

خواتین قلمکار کے لیے ماہانہ مجلہ ”اہل السنہ“ ممبئی کی ایک جدید پیشکش

اہلُ السُنّۃ
Ahl Us Sunnah

ستمبر ۲۰۲۶ء | September 2026

گوشۂ خواتین

فہرست

حسد کی تباہ کاریاں، اسباب اور علاج (قرآن وسنت اور ۔۔۔) (قسط اول)	ام محمد خوشنما مصلح الدین	34
اسلام: عورتوں کے حقوق کا محافظ	بنت اصغر حسین	41
سوشل میڈیا کے دور میں اسلامی اخلاق و کردار	حلیمہ محمد شمیم	46

ایڈیٹر: ام محمد خوشنما مصلح الدین حفظہا اللہ
(طالبہ ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ سعودی عرب)

رابطہ نمبر برائے خواتین قلمکار
+91 -7045788737
ahlussunnah.ms@gmail.com

(قسط اول)

حسد کی تباہ کاریاں، اسباب اور علاج

(قرآن وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں)

ام محمد خوشنما مصلح الدین (جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ)

دورِ حاضر میں بالخصوص سوشل میڈیا کے اس پرفتن ماحول میں جہاں ہر شخص اپنی زندگی کے بہترین لمحات، کامیابیوں اور نعمتوں کی نمائش میں مصروف ہے، حسد کی بیماری ایک خطرناک وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے، ورچوئل دنیا کی اس چکاچوند نے دلوں میں موازنہ اور مسابقت کی ایک ایسی دوڑ پیدا کر دی ہے جس نے انسان کا ذہنی وقلبی سکون چھین لیا ہے، دوسروں کی ترقی، علم، دولت، شہرت یا مقبولیت کو دیکھ کر دل میں جلن اور بے چینی کا پیدا ہونا اب ایک عام سی بات بن چکی ہے، عوام الناس تو درکنار افسوسناک امر یہ ہے کہ دین اور علم سے وابستہ طبقات کے درمیان بھی یہ وبا تیزی سے پھیلتی جارہی ہے، حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اس مرض سے سب سے زیادہ محفوظ ہونا چاہیے تھا، دینی مراکز، مساجد، مدارس اور سوشل میڈیا پر دوسروں کی علمی مقبولیت، دعوتی سرگرمیوں اور وعظ وتدریس کی کامیابی پر حسد کرنا ایک سنگین مسئلہ بن چکا ہے، اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حسد نہایت مذموم اور قبیح خصلت ہے، بڑے افسوس کی بات تو یہ ہے کہ یہ چیز سب سے زیادہ علماء اور طلبۂ علم کے درمیان پائی جارہی ہے، اگرچہ یہ تاجروں کے درمیان بھی موجود ہے جو ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں، اور ہر پیشے والا شخص اپنے ہم پیشہ افراد سے حسد کرتا ہے، لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ علماء اور طلبۂ علم کے درمیان اس کی شدت کہیں زیادہ ہے، حالانکہ مناسب اور لائقِ تر بات تو یہ تھی کہ اہلِ علم حسد سے کوسوں دور اور کمالِ اخلاق کے سب سے زیادہ قریب ہوتے''۔ [مجموع فتاویٰ ۲۶/۲۳۶]

لہٰذا ایسے پرفتن حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس مہلک بیماری کی حقیقت، اس کے اسباب اور تدارک کو قرآن وسنت کی روشنی میں سمجھا جائے تاکہ ہم اپنے قلوب کا حقیقی محاسبہ کر سکیں، درج ذیل سطور اسی اہم ضرورت کا ایک علمی اور اصلاحی جائزہ ہیں۔

حسد کا مفہوم:

حسد کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو ملنے والی دینی یا دنیاوی نعمت کو دیکھے، تو دل میں یہ تمنا کرے کہ یہ نعمت اس سے زائل ہو جائے، چھن جائے اور اسے مل جائے، یا کم از کم اس شخص کے پاس نہ رہے۔

[النهاية في غريب الحديث لابن الأثير:۳۸۳/۱]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) نے حسد کی جامع تعریف یوں فرمائی ہے کہ: ''حسد دراصل محسود (جس سے حسد کیا جائے) کی اچھی حالت کو دیکھ کر دل میں بغض اور کراہت محسوس کرنے کا نام ہے''۔[مجموع الفتاویٰ ۱۱۱/۱۰]

اسی طرح شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ (۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

''انسان کا اس چیز کو ناپسند کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ کسی اور کو بطورِ انعام عطا فرمائی ہے، یہی حسد ہے، اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص اس بات کو ناپسند کرے کہ اللہ نے فلاں شخص کو مال، اولاد، نیک بیوی، علم، عبادت کی توفیق یا کسی بھی دوسری نعمت سے نوازا ہے، اس ناپسندیدگی کے ساتھ چاہے وہ اس نعمت کے زوال کی تمنا کرے یا نہ کرے، یہ احساس بلاشبہ حسد کے زمرے میں آتا ہے''۔[مجموع فتاویٰ ورسائل العثيمين:۲۲۵/۲۶]

رشک اور حسد کے درمیان فرق:

یہاں رشک اور حسد کے درمیان فرق کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ جائز اور ناجائز کا فرق کیا جاسکے:

حسد سے مراد یہ تمنا کرنا ہے کہ کسی دوسرے شخص سے اس کی نعمت چھن جائے (چاہے وہ نعمت حاسد کو ملے یا نہ ملے)، یا کسی کے پاس موجود نعمت حال یا مستقبل میں باقی نہ رہے، درحقیقت حسد کرنے والا اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر کوئی فضل یا نعمت نازل فرمائے۔

جبکہ اس کے برعکس رشک یہ ہے کہ انسان یہ تمنا کرے کہ جیسی نعمت دوسرے شخص کے پاس ہے، ویسی اسے بھی مل جائے، لیکن اس کے دل میں یہ خواہش ہرگز نہ ہو کہ وہ نعمت اس دوسرے شخص سے چھن جائے، شرعی لحاظ سے اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی ایسا کرنے والے کو برا سمجھا جاتا ہے، بلکہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں یہ ایک طرح کی مستحسن مسابقت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾[المطففين: ۲٦]

ترجمہ: ''سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنا چاہیے''۔

اسی مفہوم کی تائید احادیثِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا''۔

''حسد(رشک)صرف دو باتوں میں جائز ہے،ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے دولت دی ہو اور وہ اس دولت کو راہ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ نے حکمت (کی دولت) سے نوازا ہو اور وہ اس کے ذریعہ سے فیصلہ کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو''۔[صحيح البخاري: ۷۳]

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''غبطہ(رشک)ایمان کا حصہ ہے،جبکہ حسد نفاق کی علامت ہے،مومن رشک کرتا ہے،اور منافق حسد کرتا ہے''۔[حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني:۸/۹۵]

قرآن وسنت اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں حسد کی مذمت:

(ا)حسد کی مذمت پر قرآن سے دلائل:

(۱)اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:﴿اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ﴾[النساء: ٥٤]

ترجمہ:''کیا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے''۔

(۲)ایک دوسرے مقام پر فرمایا:﴿تِلۡکَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُہَا لِلَّذِیۡنَ لَا یُرِیۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ﴾ [القصص: ۸۳]

ترجمہ:''آخرت کا یہ بھلا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کردیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے''۔

شیخ صالح بن الفوزان حفظہ اللہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''جو شخص اپنے لیے خیر کو پسند کرتا ہے لیکن لوگوں کے لیے شر کو،اس کا یہ عمل زمین میں فساد اور تکبر شمار ہوتا ہے،کیونکہ وہ اللہ کی نعمت کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے اور کسی دوسرے کے لیے خیر کا خواہاں نہیں ہوتا،اور یہی دراصل حسد ہے''۔[شرح كتاب الكبائر:ص ۸۰]

(۳)اسی طرح اللہ نے حاسدوں کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے،فرمایا:﴿وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ [الفلق: ٥]

ترجمہ:''اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے''۔

اس آیت میں حاسد کے شر کو تاریکی،جادو اور دیگر آفات کے برابر لا کھڑا کیا گیا ہے۔

(ب) حسد پر احادیثِ مبارکہ سے دلائل:

(۱) زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ، وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعَرَ وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُثَبِّتُ ذَاكُمْ لَكُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ“۔

”تمہارے اندر پچھلی امتوں کا ایک مرض گھس آیا ہے اور یہ حسد اور بغض کی بیماری ہے، یہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ سر کا بال مونڈنے والی ہے بلکہ دین مونڈنے والی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ جنت میں نہیں داخل ہوگے جب تک کہ ایمان نہ لے آو، اور مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو، اور کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتادوں جس سے تمہارے درمیان محبت قائم ہو: تم سلام کو آپس میں پھیلاو“۔ [سنن ترمذی: ۲۵۱۰، قال الالبانی: حسن]

(۲) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ“۔ ”ہر صاف دل، زبان کا سچا“، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: زبان کے سچے کو تو ہم سمجھتے ہیں، صاف دل کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ، لَا إِثْمَ فِيهِ، وَلَا بَغْيَ، وَلَا غِلَّ، وَلَا حَسَدَ“۔

”پرہیزگار صاف دل جس میں کوئی گناہ نہ ہو، نہ بغاوت، نہ کینہ اور نہ حسد ہو“۔ [سنن ابن ماجة: ٤٢١٦، صحيح]

(۳) انس مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا“۔

”آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو، بلکہ اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو“۔ [صحيح البخاري: ٦٠٦٥]

(۴) ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”لا يزالُ النّاسُ بخيرٍ؛ ما لم يتحاسَدوا“۔

”لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی پر رہیں گے جب تک ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے“۔ [السلسلة الصحيحة: ٣٣٨٦]

(ج) حسد کی سنگینی پر سلف کے اقوال:

(۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ عزوجل کی نعمتوں سے عداوت نہ رکھو''، عرض کیا گیا: بھلا اللہ کی نعمتوں سے کون عداوت رکھتا ہے؟، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں سے ان نعمتوں پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے''[بهجة المجالس لابن عبد البر:ص ۸۸]

(۲) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''میں ہر شخص کو راضی کرنے کی قدرت رکھتا ہوں، سوائے اس حاسد کے جو کسی کی نعمت پر جلتا ہو، کیونکہ اسے اس نعمت کے زوال (چھن جانے) کے سوا کوئی اور چیز راضی نہیں کر سکتی''۔[تاريخ دمشق لابن عساكر:۲۰۰/۵۹]

(۳) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حسد دراصل انسانی کم ظرفی اور اخلاقی پستی کا نتیجہ ہے، حاسد تاعمر ایسی حسرتوں کا شکار رہتا ہے جن کی کوئی انتہا نہیں، اور نتیجتاً وہ بلند مراتب اور اعلیٰ درجات سے یکسر محروم رہ جاتا ہے''۔ [حلية الأولياء:۱٤۷/۹]

(۴) امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حسد وہ پہلا گناہ ہے جس کے باعث آسمان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی، اور یہی وہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعہ زمین پر اس کی نافرمانی ہوئی، چنانچہ آسمان میں ابلیس نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا، اور زمین پر قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے حسد کیا''۔[تفسير القرطبي:۲۵۹/۲۰]

(۵) امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حسد ایک ایسا انصاف پسند مرض ہے، جو محسود کی بنسبت خود حاسد کو زیادہ نقصان پہنچاتا ہے''۔[الآداب الشرعية لابن مفلح:۱۰۲/۱]

(۶) امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

''چار خصلتیں ایسی ہیں جو انسان کو دوسروں کی نظر میں مبغوض اور قابلِ نفرت بنا دیتی ہیں، وہ ہیں: تکبر، حسد، جھوٹ اور چغل خوری''۔[زاد المعاد لابن القيم :٦١٣/٤]

(۷) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا:

''حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ

حاسد عموماً محسود پر زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے، وہ اس کے عیوب اور خامیوں کو اچھالتا ہے، لوگوں کو اس سے دور کرتا ہے، اور اس کی عزت و وقار کو ٹھیس پہنچاتا ہے، انہی مذموم رویوں کے باعث حسد کا شمار ان کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جو انسان کی جمع شدہ نیکیوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں‘‘۔ [مجموع فتاویٰ:۲۶/۲۳۰]

(۸) شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

’’حسد ایک خطرناک بیماری اور نہایت بری خصلت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو جو نعمت عطا فرمائی ہو، اس کے زوال کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے، درحقیقت یہ اللہ رب العزت کی حکمت اور اس کی تقسیم پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے، اور یہ یہودیوں اور کافروں کے اوصاف میں سے ہے‘‘۔[المنتقى من فتاوى فضيلة الشيخ صالح الفوزان:۱/۱٦٧]

حاسد کا عبرتناک انجام:

بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ پچھلی امتوں میں ایک بادشاہ گزرا ہے، اس کا ایک دربان تھا، جسے بادشاہ اس کی دانشمندی اور دیانت داری کی بنا پر بے حد عزیز رکھتا تھا۔

یہ دربان بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے اکثر کہا کرتا تھا: ’’بادشاہ سلامت! نیکی کرنے والے کے ساتھ نیکی کیجئے، اور برائی کرنے والے کو اس کے حال پر چھوڑ دیجئے، کیونکہ اسے برباد کرنے کے لیے اس کی اپنی برائی ہی کافی ہے‘‘۔

دربار میں اس دربان کا بڑھتا ہوا رسوخ اور عزت دیکھ کر ایک درباری شدید حسد کا شکار ہو گیا، اس نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کیے اور ایک دن موقع پا کر کہا: ’’بادشاہ سلامت! یہ دربان جو آپ کا اتنا قریبی ہے، وہ باہر جا کر لوگوں میں پھیلا رہا ہے کہ آپ کے منہ سے بدبو آتی ہے‘‘۔

بادشاہ نے حیرانی سے پوچھا: مجھے تمہاری اس بات کا کیسے یقین آئے؟

حاسد نے چالاکی سے جواب دیا: کل جب وہ دربار میں حاضر ہو تو آپ اسے بات کرنے کے لیے اپنے قریب بلائیے گا، آپ دیکھیں گے کہ وہ کراہت سے اپنی ناک اور منہ پر ہاتھ رکھ لے گا۔

اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حاسد نے اسی شام دربان کو اپنے گھر دعوت پر بلایا اور اسے ایسا شوربے والا سالن کھلایا جس میں لہسن کی مقدار بہت زیادہ تھی، اگلے دن جب دربان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو بادشاہ نے اسے جانچنے کے لیے اپنے قریب بلایا، دربان نے سوچا کہ کہیں بادشاہ سلامت کو لہسن کی ناگوار بو سے تکلیف نہ ہو، اس لیے اس نے فوراً اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا۔

یہ منظر دیکھ کر بادشاہ کو حاسد کی بات پر مکمل یقین آ گیا اور اس نے غصے سے دربان کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔

پھر بادشاہ نے قلم دوات منگوا کر ایک خط لکھا اور اس پر شاہی مہر لگوا کر دربان کو حکم دیا کہ یہ فرمان لے کر فلاں گورنر کے پاس جاؤ (بادشاہ کے ایسے خطوط عموماً بہت بڑے انعام واکرام کا پروانہ سمجھے جاتے تھے اور ان کی مالیت لاکھوں میں ہوتی تھی)، دربان جب وہ خط لے کر خوشی خوشی دربار سے نکلا تو راستے میں اسے وہی حاسد ملا، حاسد نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

دربان نے سادگی سے جواب دیا: بادشاہ نے مجھے یہ انعام کا پروانہ عطا کیا ہے۔

حاسد نے لالچ میں آ کر وہ پروانہ مانگ لیا، دربان چونکہ نیک دل تھا، اس نے خوش دلی سے وہ خط اسے تحفہ میں دے دیا۔

حاسد خوشی خوشی وہ خط لے کر مقررہ گورنر کے پاس پہنچا، گورنر نے جیسے ہی خط پڑھا، اس نے فوراً جلادوں کو طلب کیا، اور منتیں کرنے لگا: اللہ کا خوف کرو، یقیناً کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے، بادشاہ سے دوبارہ تصدیق کر لو!

لیکن گورنر نے دوٹوک جواب دیا: شاہی فرمان کے بعد ہمارے لیے کسی تصدیق کی گنجائش نہیں ہوتی۔

دراصل اس خط میں بادشاہ نے لکھا تھا:

''جو شخص بھی میرا یہ خط لے کر تمہارے پاس آئے، اسے فوراً قتل کر کے اس کی کھال میں بھوسا بھر دو اور لاش میرے پاس بھیج دو''۔

چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل کی، حاسد کو قتل کر کے اس کی کھال میں بھوسا بھر کر بادشاہ کے دربار میں بھجوا دیا، جب بادشاہ نے حاسد کی لاش دیکھی تو وہ سخت حیران ہوا، اس نے فوراً دربان کو طلب کیا اور پوچھا: مجھے سچ سچ بتاؤ، جب میں نے تمہیں اپنے قریب کیا تھا تو تم نے اپنے منہ پر ہاتھ کیوں رکھا تھا؟ اور یہ خط اس شخص کے پاس کیسے پہنچا؟

دربان نے عرض کیا: بادشاہ سلامت! اس شخص نے کل میری دعوت کی تھی اور مجھے ایسا کھانا کھلایا جس میں لہسن کی مقدار بہت زیادہ تھی، میں نے محض آپ کو لہسن کی بدبو سے بچانے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھا تھا، جہاں تک خط کی بات ہے تو وہ اس نے مجھ سے مانگ لیا تھا، اس لیے میں نے اسے دے دیا۔

یہ سن کر بادشاہ مسکرایا اور بولا: تم بالکل بجا کہتے تھے، اپنے منصب پر واپس لوٹ جاؤ اور وہی بات دہراتے رہو جو تم ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ: ''برے انسان کو برباد کرنے کے لیے اس کی اپنی برائی ہی کافی ہے''۔

اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے دربان کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ کر دیا اور اسے بے پناہ مال و دولت سے نوازا۔[حلية الأولياء :٢/٢٢٨]

جاری......

اسلام: عورتوں کے حقوق کا محافظ

بنت اصغر حسین، کرناٹک

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ''جو بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ضرور انہیں ان کا بدلہ دیں گے ان اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے''۔ [سورة النحل : ۹۷]

قابل احترام قارئین! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بے شمار مخلوقات پیدا فرمائی ہیں اور ان سب میں شرف و منزلت کے اعتبار سے انسان کو سب سے اونچے مقام پر رکھا، فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ ''یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت دی''۔ [سورة الإسراء : ۷۰]

انسان کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت و رہنمائی کا مکمل سامان مہیا فرمایا اور کائنات کی ہر چیز کو اس کے لیے مسخر کر دیا، اور اسی طرح رب العالمین نے انسانوں میں دیگر مخلوقات کی طرح نر و مادہ کا فرق رکھا، لیکن بحیثیتِ انسان اس کے مرتبے میں، ہدایت اور مسخر کردہ اشیاء سے فیض یاب ہونے میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا، جینے کا حق، آزادی کا حق اور تعلیم کا حق مرد و عورت دونوں کو برابر شامل ہے، لیکن زمانۂ قدیم میں ان حقوق کو عورتوں سے سلب کر لیا گیا تھا، وہ لوگ عورت سے سب سے پہلے حقِ حیات ہی چھین لیتے اور اگر کبھی یہ حق مل بھی جاتا تو آگے کے حقوق پر وار کرتے اور اس کی زندگی موت ہی کی ایک صورت بن کر رہ جاتی، عورت کبھی کہیں منحوس سمجھی جاتی تو کہیں شر و فتن کا سرچشمہ، کوئی اس کو محض قابلِ استعمال شے تصور کرتا، تو کوئی اس پر طرح طرح کی پابندیاں لگا کر معاشرے میں بے بس و مجبور کر دیتا، الغرض عورت کو اس کا مقام جو بحیثیتِ انسان اور اللہ کی بندی ہونے کے ناطے ملنا چاہیے تھا، کسی قوم نے آج تک فراہم نہیں کیا۔

بالآخر خالقِ انسانیت کو ظلم و جبر کی چکی میں پستی اس مخلوق پر رحم آیا اور اس پر احسان کیا، چنانچہ اسلام جو امن و سلامتی کی دعوت اور حقوق کی ضمانت لے کر نمودار ہوا، اس میں خواتین کے نام بڑا پیغام بھیجا، اس کو معاشرے میں ایک نمایاں مقام دلایا، اس کے حقوق متعین فرمائے، اس پر آسانی کی، اس کی قدر سکھائی، اس کی کفالت و حضانت پر بشارت دی، اس کو صالحیت کی شرط کے ساتھ دنیا کا قیمتی متاع بتایا، الغرض اس کو دائرۂ اسلام میں مکمل محفوظ و مامون کر دیا۔

ایمانیات،عبادات،اخلاقیات اور معاملات ہر باب میں اس کو شامل فرمایا اوران پر اجر کا وعدہ بھی کیا،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[سورة النحل: ۹۷]

’’جو بھی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ضرور انہیں ان کا بدلہ دیں گے ان اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے‘‘۔

حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام نے عورت کو ایک اونچے مقام پر فائز کیا اور یہ حقیقت ان جاہل لوگوں کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے جن کے نزدیک عورت ہر لحاظ سے کمتر تصور کی جاتی رہی۔

سب سے پہلے ایک عورت کو بیٹی کی شکل میں والدین کی سعادت کا ذریعہ بنایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

”وَمَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ“۔

’’جس نے دولڑکیوں کی ان کی بلوغت تک پرورش کی تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ملے ہوئے ہوں گے جس طرح یہ دونوں انگلیاں اور آپ نے شہادت اور بعد والی انگلی کو ملایا‘‘۔[صحيح مسلم : ٦٦٩٥]

مذکورہ حدیث کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کی زندہ درگور کی جانے والی رسم کو ہی درگور کردیا۔

اسی طرح بہن کی حیثیت سے بھی عورت کو نظر انداز نہیں کیا گیا، بلکہ قرآن نے دو معزز ہستیوں کے واقعات میں بہن کی طرف ان کی نسبت کا ذکر فرما کر ان کے مقام کو واضح فرمایا۔

پہلا واقعہ مریم علیہا السلام کا، جب لوگوں نے ان پر تہمت تراشی کی تو ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا﴾ [سورة مريم : ٢٨]

’’اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی‘‘۔

اور دوسرا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا، جن کی بہن کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ [سورة القصص : ١١]

’’اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا، تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی اور دوسروں کو اس کا پتہ نہ چل سکا‘‘۔

بیٹی اور بہن سے آگے جب ایک عورت کسی کی بیوی کہلاتی ہے تو اسلام نے اس مقدس رشتے کی قدر و قیمت دوگنی کر

دی اور صالحیت کی موجودگی میں اس کو دنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ قرار دیا، فرمایا:

”اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ“۔

”دنیا متاع (کچھ وقت تک کے لیے فائدہ اٹھانے کی چیز) ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے“۔

[صحیح مسلم : ۳۶۷۹]

محترم قارئین! اب ہم بات کریں عورت بحیثیت بیوی، تو یہ چیز سمجھ آتی ہے کہ عورت کو سب سے زیادہ ظلم وستم کا نشانہ اسی رشتے میں بنایا گیا، بیوی کی شکل میں عورت سب سے زیادہ ستائی گئی، بلکہ آج بھی دنیا کی لبرل تہذیبیں اس معاملے میں اپنی چالیں چل رہی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ طور طریقے بدل گئے، لیکن مقصد اس کو دنیا کے سامنے حقارت وذلت کے ساتھ پیش کرنا ہی ہے۔

غور کریں! اسلام نے کس قدر عمدگی کے ساتھ بیوی کے بارے میں مردوں کو ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا:﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [سورة البقرة : ۲۲۸]

”اور عورتوں کے بھی اچھائی کے ساتھ ویسے ہی حق ہیں جیسے اُن پر مردوں کے ہیں“۔

اور نبی کریم ﷺ نے ترہیب کا پہلو اپناتے ہوئے فرمایا: ”فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ“۔

”عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو“۔[صحیح مسلم : ۶۹۵۰]

معزز قارئین! غور فرمائیں، کیا عورت کی ایسی تکریم بھی کسی مذہب نے کی ہے؟؟

اور پھر یہی عورت جب ماں کے مبارک رشتے سے سرفراز ہوتی ہے تو پھر اس کے مقام ومرتبہ کا کیا کہنا، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس کے ایامِ حمل سے لے کر ایامِ رضاعت وپرورش کی ساری روداد نقل فرما کر اس کی عزت وقدر کرنے کی وصیت فرمائی: ﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ [سورة لقمان : ۱۴]

”ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کی ہے، اس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہوئی، میرے شکر گزار بنو اور اپنے والدین کے بھی، آخر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے“۔

اور حدیث میں بھی ماں کو باپ سے تین گنا زیادہ درجہ دیا گیا، نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا:

”مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:

أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: أَبُوكَ“۔

”میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں ہے، پوچھا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، پھر پوچھا: اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں، انہوں نے پوچھا: اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا: تمہارا باپ“۔[صحيح بخاری : ۵۹۷۱]

مذکورہ قریبی رشتوں کے علاوہ اسلام نے خالہ، پھوپھی، بھانجی اور بھتیجی کو بھی محرمات کی فہرست میں شامل فرما کر ایک قسم کا تحفظ عطا کیا ہے، جو خواتین کے مقام ومرتبہ میں اضافے کا باعث ہے۔

اسلام نے جہاں عورت کو ایک مقام دیا اور ہر حیثیت سے اس کی عزت وتکریم کی وہیں اس کے حقوق بھی متعین کیے تاکہ اس کی بلند مقامی کا ثبوت فراہم کرے، اوران نادان لوگوں کی نادانی کا ازالہ کرے جو سمجھتے ہیں کہ عورت مرد کی محکوم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اپنی کوئی مرضی اور اختیار نہیں۔

پہلا حق: اسلام نے عورت کو کئی حقوق دیئے ہیں ان میں سب سے پہلا قابل ذکر جینے کا حق ہے، جو اسلام سے قبل اسے حاصل نہ تھا اور اسلام نے اس حق کو چھیننے والوں کی تہدید کی فرمایا:

﴿وَإِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾[سورة التكوير : ۰۸،۰۹]

”اور جب قیامت کے دن زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی“۔

دوسرا حق: اسی طرح تعلیم کا حق دیا جو عورت سمیت ساری انسانیت کی ترقی کا زینہ ہے، اسلام نے عورت کو اپنے حدود وقیود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے اس ترقی میں شامل ہونے کی بھرپور اجازت دی، قرون اولیٰ کی خواتین ہمارے لیے اسوہ ہیں کہ جس طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حصول علم اور اس کی تشہیر میں سرگرم رہتے بالکل اسی طرح صحابیات رضی اللہ عنہن نے بھی اس میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

تیسرا حق: یہ بات مسلّم ہے کہ عورت کا نکاح اس کے ولی کے ذمہ ہے، جس کی موجودگی کے بغیر نکاح باطل ہے لیکن عورت اس دوران کلی طور پر بے اختیار نہیں ہے، بلکہ نکاح کے معاملہ میں اسلام نے عورت سے اجازت لینا ضروری قرار دیا، نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے: ”لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ“۔

”بیوہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے مشورہ نہ کرلیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت نہ مل جائے، صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! کنواری عورت

اجازت کیسے دے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خاموش رہ جائے ، یہ خاموشی ہی اس کی اجازت سمجھی جائے گی‘‘۔[صحيح بخاری : ٥١٣٦]

چوتھا حق: اسی طرح عورت سے نکاح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو مہر دینا بھی ضروری ہے، اسلام سے قبل بھی مہر کا تصور موجود تھا لیکن لوگوں نے عورت کو اس حق سے محروم کر رکھا تھا، اسلام نے یہ حق بھی اسے دلوایا اور فرمایا: ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾[سورة النساء : ٤] ’’عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی سے دو‘‘۔

پانچواں حق: نیز نکاح کے بعد بسا اوقات زوجین کے درمیان کئی اختلاف کی گنجائش رہتی ہے تو ایسے ناگزیر موقع پر مرد کو حق طلاق حاصل ہے تو دوسری طرف عورت بھی خلع کا استحاق رکھتی ہے یعنی اگر شوہر سے کسی معقول سبب کے خلاصی چاہتی ہے تو شوہر کا مہر واپس کر کے نکاح سے آزاد ہو سکتی ہے۔

چھٹا حق: اسی طرح عورت کو باپ کی میراث میں حق حاصل ہے گرچہ کہ وہ شوہر کی زیر کفالت ہو، اور شوہر کے مال میں بھی اس کا حصہ مقرر ہے، بلکہ بیٹے کی طرف سے چھوڑے ہوئے مال سے بھی کوئی اس کو بے دخل نہیں کر سکتا۔

افسوس کہ اس معاملہ میں عورت کی حق تلفی زمانہ جاہلیت میں تو ہوتی ہی رہی لیکن آج بھی مسلم معاشرے میں موجود ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا دوٹوک فیصلہ ہے: ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾[سورة النساء : ٧]

’’مردوں کے لیے اس مال سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں (اسی طرح) عورتوں کے لیے بھی اس مال سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں‘‘۔

الغرض اسلام نے عورت کو ہر وہ حق عطا کیا جس سے وہ ظلم وتشدد کی زد میں محروم کر دی گئی تھی، اور کوئی نہیں تھا جس سے وہ ان حقوق کا مطالبہ کرے اور وہ اس مطالبہ کو پورا کرے، سبحان اللہ! عورت پر دین اسلام کے کتنے عظیم احسانات ہیں۔مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ آج کے پُرفتن دور میں مسلم خواتین اپنے مقام ومرتبہ سے ناآشنا ہیں، انہیں اپنی قدر ومنزلت کا علم نہیں جس کے سبب وہ اپنا وقار گنوا بیٹھی ہیں، اور جس میدان میں جو کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے وہاں غائب اور جس میدان سے دور رہنا چاہیے وہاں پیش پیش ہیں، نتیجتاً عائلی اور معاشرتی اختلافات اور بے حیائی کا بازار گرم ہوتا جارہا ہے۔ واللہ المستعان

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلم خواتین کو اپنا مقام ومرتبہ جان کر صحیح معنوں دین اسلام کی فرمانبرداری کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین

سوشل میڈیا کے دور میں اسلامی اخلاق و کردار

حلیمہ محمد شمیم

اکیسویں صدی ٹیکنالوجی اور اطلاعات کی صدی ہے، آج دنیا ایک ایسے دور میں داخل ہو چکی ہے جہاں فاصلے سمٹ گئے ہیں اور چند لمحوں میں ایک انسان کی آواز، تصویر، تحریر یا ویڈیو دنیا کے کسی بھی کونے تک پہنچ سکتی ہے، سوشل میڈیا نے علم، دعوت، رابطے اور اظہار کے بے شمار مواقع فراہم کیے ہیں، مگر اسی کے ساتھ اس نے ہمارے اخلاق، وقت اور ذمہ داری کا ایک نیا امتحان بھی سامنے رکھ دیا ہے۔

اصل مسئلہ سوشل میڈیا کا وجود نہیں بلکہ اس کا استعمال ہے، ایک مسلمان کے لیے موبائل کی اسکرین بھی اسی طرح جواب دہی کا ذریعہ ہے جیسے اس کی زبان، نگاہ، مال اور وقت۔ اسلام نے زندگی کے کسی شعبے کو اخلاقیات سے خالی نہیں چھوڑا، قرآن وسنت ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ انسان جو کچھ دیکھے، سنے، کہے یا آگے پہنچائے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے، آج سوال یہ نہیں کہ ہمارے ہاتھ میں موبائل ہے یا نہیں، اصل سوال یہ ہے کہ موبائل ہمارے ہاتھ میں ہے یا ہم موبائل کے ہاتھ میں ہیں؟ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سوشل میڈیا کو محض تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ نہ بنائیں، بلکہ اسے قرآن وسنت کے بتائے ہوئے اسلامی اخلاق، دینی ذمہ داری اور احساسِ جواب دہی کے تابع کریں۔

سوشل میڈیا کے استعمال میں ایک مسلمان کے لیے ہر قدم پر یہ شعور ضروری ہے کہ اس کی ہر بات، ہر تحریر اور ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اس لیے سوشل میڈیا کی آزادی کو بے لگام آزادی کے بجائے دینی ذمہ داری اور اخلاقی جواب دہی کے ساتھ استعمال کیا جانا چاہیے۔

اسی لیے سوشل میڈیا استعمال کرتے وقت چند چیزوں کا پاس ولحاظ رکھنا بہت ضروری ہے:

(۱) خبر کی تحقیق: اسلامی معاشرت کا بنیادی اصول: سوشل میڈیا کا سب سے بڑا مسئلہ غیر مصدقہ معلومات اور افواہوں کا پھیلاؤ ہے، ایک پیغام، تصویر یا ویڈیو موصول ہوتی ہے اور لوگ تحقیق کیے بغیر اسے آگے بھیج دیتے ہیں، یوں ایک جھوٹی خبر چند منٹوں میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ سکتی ہے اور کسی فرد یا خاندان کی عزت متاثر ہو سکتی ہے، قرآن کریم نے اس معاملے میں نہایت واضح اصول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو‘‘۔[سورۃ الحجرات:٦]

یہ آیت آج کے سوشل میڈیا کے دور میں ہمارے لیے ایک مکمل اخلاقی ضابطہ بن سکتی ہے، ہر مسلمان کو چاہیے کہ کسی خبر کو شیئر کرنے سے پہلے سوچ: کیا یہ درست ہے؟ اس کا معتبر ذریعہ کیا ہے؟ کیا اس خبر سے کسی کی عزت یا جان و مال کو نقصان تو نہیں پہنچے گا؟

ہر موصول ہونے والا پیغام شیئر کرنے کے لیے نہیں ہوتا بعض اوقات خاموشی بھی ایک دینی ذمہ داری ہوتی ہے۔

(۲) غیبت، بہتان اور کردار کشی: سوشل میڈیا نے جہاں اظہارِ رائے کے مواقع بڑھائے ہیں، وہیں کسی کی عزت و آبرو کو مجروح کرنے کے امکانات بھی بڑھا دیئے ہیں، کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں موجود ہو، غیبت ہے اور ایسی بات اس کی طرف منسوب کرنا جو اس میں موجود ہی نہ ہو، بہتان ہے، اسی طرح کسی فرد کی عزت، ساکھ اور شخصیت کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کے خلاف الزامات، تحقیر آمیز تبصرے یا منفی مواد پھیلانا کردار کشی کے زمرے میں آتا ہے، قرآنِ کریم نے غیبت کی قباحت کو نہایت موثر انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ ’’اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے‘‘۔[سورۃ الحجرات: ١٢]

آج غیبت صرف کسی مجلس میں بیٹھ کر کسی کی برائی بیان کرنے تک محدود نہیں رہی، بلکہ سوشل میڈیا پر کسی کے عیوب بیان کرنا، اس کی تضحیک کرنا، نجی بات دوسروں تک پہنچانا یا اس کے خلاف تحقیر آمیز تبصرے کرنا بھی اسی دائرے میں آتا ہے، اسی طرح کسی کے بارے میں بغیر تحقیق کوئی الزام یا ایسی خبر پھیلانا جو اس کی عزت کو نقصان پہنچائے، محض ایک ’’فارورڈ‘‘ یا ’’شیئر‘‘ نہیں بلکہ ایک سنگین اخلاقی معاملہ ہے۔

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ سوشل میڈیا پر لکھا یا شیئر کیا گیا ایک جملہ بھی چند لمحوں میں سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں تک پہنچ سکتا ہے، اس لیے ’’میں نے تو صرف آگے بھیجا تھا‘‘ کہہ دینے سے ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی، لہٰذا سوشل میڈیا پر کسی کی کمزوری اچھالنے، الزام تراشی یا کسی کی شہرت کو نقصان پہنچانے سے اجتناب ضروری ہے، اگر کسی کی اصلاح مقصود ہو تو اسے ذلیل کرنے کے بجائے خیر خواہی، حکمت اور نرمی کا راستہ اختیار کریں، یہی اسلامی اخلاق ہے کہ ہماری زبان، قلم اور انگلیاں کسی کی عزت پامال کرنے کے بجائے خیر، اصلاح اور بھلائی کا وسیلہ بنیں۔

(۳) نگاہ کی حفاظت: سوشل میڈیا کے ذریعے انسان کے سامنے ہر قسم کا مواد آ سکتا ہے، ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نگاہ کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾

ترجمہ: ”ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں“۔[سورة النور: ٣٠]

یہ حکم آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا ہر دور میں تھا، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے انسان کو غلط منظر تک پہنچنے کے لیے کہیں جانا پڑتا تھا، آج وہ منظر اس کی جیب میں موجود موبائل کی اسکرین پر خود آ جاتا ہے، اس لیے ایک مسلمان کو اپنی نگاہ کی حفاظت کرتے ہوئے ہر ایسے منظر سے بچنا چاہیے جو حیا، پاکیزگی اور تقویٰ کے منافی ہو۔

(۴) پرائیویسی اور دوسروں کی عزت: سوشل میڈیا پر کسی کی ذاتی تصویر، نجی گفتگو، ذاتی معاملہ یا ویڈیو بغیر اجازت پھیلانا ایک خطرناک رویہ ہے، بعض اوقات لوگ کسی کی ذاتی بات کو محض مذاق سمجھ کر شیئر کرتے ہیں، لیکن اس کا اثر دوسرے انسان کی عزت، ذہنی سکون اور خاندانی زندگی پر پڑ سکتا ہے، اسلام انسان کی عزت، پردے اور نجی زندگی کی حفاظت کرتا ہے، قرآنِ کریم دوسروں کے عیوب تلاش کرنے اور ٹوہ لگانے سے روکتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾ ترجمہ: ”اور ٹوہ میں نہ لگو“۔ [سورة الحجرات: ١٢]

لہٰذا کسی کی اجازت کے بغیر اس کی تصویر یا ذاتی گفتگو نشر کرنا، کسی کی کمزوری کو عوامی موضوع بنانا یا کسی کے راز کو افشا کرنا مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔

(۵) دکھاوا اور شہرت کی دوڑ: سوشل میڈیا پر اپنی ہر خوشی، ہر سفر، ہر خریداری یا ہر نیکی کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے اور ہر عمل پر داد چاہنے کی عادت انسان کو آہستہ آہستہ اخلاص سے دور کر سکتی ہے، البتہ کسی نیک کام کی ترغیب، خیر کی دعوت یا دوسروں کو بھلائی کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کسی عمل کا ذکر کرنا اپنی جگہ درست ہو سکتا ہے اصل اہمیت نیت کی ہے، اس لیے سوشل میڈیا استعمال کرتے ہوئے انسان کو اپنے دل سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے: ”میں یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں یا لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کے لیے“؟

(٦) وقت کی حفاظت: سوشل میڈیا کا ایک بہت بڑا نقصان وقت کا ضیاع ہے، چند منٹ کے لیے موبائل کھولنے والا شخص کبھی کبھی گھنٹوں اسکرول کرتا رہتا ہے، نتیجتاً نماز، قرآن، تعلیم، گھر والوں، صحت اور حقیقی زندگی کے رشتوں کے لیے وقت کم پڑ جاتا ہے، وقت دراصل انسان کی زندگی ہے جو وقت گزر گیا وہ دوبارہ واپس نہیں آتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ“۔ ”دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت“۔[صحيح بخاری: ٦٤١٢]

اس لیے ضروری ہے کہ سوشل میڈیا ہمارے وقت کا مالک نہ بن جائے بلکہ ہم اس کے درست استعمال کے مالک بنیں۔

(۷) اختلافِ رائے کے اسلامی آداب: سوشل میڈیا پر سب سے زیادہ نظر آنے والی چیزوں میں سے ایک سخت لہجے میں اختلاف ہے، معمولی اختلاف بھی بعض اوقات گالی، الزام اور دشمنی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اسلام ہمیں اختلاف کے وقت بھی حکمت، شائستگی اور حسنِ گفتگو کی تعلیم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ''اور ان سے ایسے طریقے سے بحث کیجیے جو سب سے بہتر ہو''۔ [سورة النحل: ١٢٤]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی گفتگو میں احتیاط اور زبان کی حفاظت کی تاکید فرمائی:

''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ''۔ ''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے''۔ [صحيح بخاری: ٦٠١٨]

لہٰذا سوشل میڈیا پر اختلافِ رائے کو ذاتی دشمنی میں تبدیل کرنے کے بجائے دلیل، ادب اور نرمی کے ساتھ اپنی بات بیان کرنی چاہیے۔ اختلاف کو ذاتی دشمنی بنانا، مخالف کی تحقیر کرنا، طنز، گالی اور الزام تراشی کرنا اسلامی آداب کے خلاف ہے، اگر سامنے والا غلط ہے تو اسے ذلیل کرنا ضروری نہیں بلکہ دلیل، حکمت اور نرمی کے ساتھ بات کی جاسکتی ہے۔

تاہم سوشل میڈیا کا صرف منفی پہلو دیکھنا بھی درست نہیں، یہی ذریعہ اگر صحیح نیت اور درست طریقۂ استعمال کے ساتھ اختیار کیا جائے تو خیر، علم، دعوت اور خدمتِ خلق کے فروغ کا موثر وسیلہ بن سکتا ہے۔

سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کے ذریعے قرآن وحدیث کی تعلیم عام کی جاسکتی ہے، دینی وعلمی مواد پھیلایا جاسکتا ہے، ضرورت مندوں کی مدد کی جاسکتی ہے، تعلیمی معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں اور لوگوں کو مثبت سرگرمیوں کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے۔

ایک اچھی بات، ایک مفید تحریر، درست معلومات یا کسی ضرورت مند کے لیے مدد کا پیغام بھی کسی انسان کی زندگی میں مثبت تبدیلی لا سکتا ہے، لہٰذا ہمیں سوشل میڈیا چھوڑنے کی نہیں بلکہ اسے صحیح مقصد کے لیے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ سوشل میڈیا استعمال کرتے ہوئے چند اصول ہمیشہ سامنے رکھے:

(۱) خبر شیئر کرنے سے پہلے تحقیق کرے۔ (۲) غیبت، بہتان اور کردار کشی سے بچے۔ (۳) دوسروں کی نجی زندگی، تصاویر اور رازوں کا احترام کرے۔ (۴) اپنی نگاہ کو نامناسب مواد سے محفوظ رکھے۔ (۵) گالی، طنز، تحقیر اور الزام تراشی سے اجتناب کرے۔ (۶) اختلافِ رائے میں دلیل، حکمت اور شائستگی اختیار کرے۔ (۷) اپنے وقت کو بے مقصد ضائع ہونے سے بچائے۔ (۸) نیکی اور خیر کی تشہیر میں اخلاص کا خیال رکھے۔ (۹) سوشل میڈیا کو علم،

دعوت، اصلاح اور خدمتِ خلق کا ذریعہ بنائے۔

سوشل میڈیا آج ہماری زندگی کا اہم حصہ بن چکا ہے، اس سے مکمل طور پر کنارہ کشی شاید ممکن نہ ہو، لیکن اس کے استعمال کو اسلامی اخلاق و آداب کے تابع کرنا ضرور ممکن ہے۔ ہماری ذمہ داری صرف زبان سے نکلنے والے الفاظ تک محدود نہیں، بلکہ ہماری انگلی سے لکھا جانے والا ہر لفظ، کیا جانے والا ہر تبصرہ، شیئر کیا جانے والا ہر مواد اور اسکرین پر دیکھی جانے والی ہر چیز بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ سوشل میڈیا بھی ہماری ذمہ داری کے دائرے سے باہر نہیں بلکہ اس کے ذریعے ہم جس قدر زیادہ لوگوں تک پہنچتے ہیں، ہماری ذمہ داری بھی اسی قدر بڑھ جاتی ہے، اس لیے ہمیں پوسٹ کرنے سے پہلے سوچنا، خبر شیئر کرنے سے پہلے تحقیق کرنا، اختلاف کے وقت شائستگی اختیار کرنا اور اپنی نگاہ و زبان کی حفاظت کرنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ'' ''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا''۔ [صحیح بخاری: ۸۹۳]

یہ حدیث ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ہماری آن لائن سرگرمیاں بھی ہماری ذمہ داری کا حصہ ہیں۔ لہٰذا سوشل میڈیا کو وقت ضائع کرنے، فتنہ پھیلانے یا کسی کی عزت مجروح کرنے کے بجائے علم، دعوت، اصلاح، خیر اور خدمتِ خلق کا ذریعہ بنانا چاہیے، ہماری پوسٹ کسی کے لیے ہدایت کا سبب بنے، ہماری گفتگو دل آزاری کے بجائے خیر خواہی کا ذریعہ ہو اور ہماری آن لائن موجودگی معاشرے میں بھلائی کو فروغ دے۔

آج ضرورت ایسی نسل کی ہے جو ٹیکنالوجی میں جدید، علم میں مضبوط، کردار میں پاکیزہ اور قرآن و سنت سے وابستہ ہو۔ اگر ہم سوشل میڈیا کو اسلامی اخلاق کے تابع کر لیں تو یہی ذریعہ ہماری لغزشوں کا سبب بننے کے بجائے علم، دعوت، اصلاح اور خیر کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ ہمیں ہر آن لائن سرگرمی سے پہلے یہ احساس زندہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر لفظ، ہر نظر اور ہر عمل سے باخبر ہے اور ایک دن ہمیں اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا، ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہماری ہر پوسٹ کسی کے لیے خیر کا سبب بنے، ہماری گفتگو دل آزاری کے بجائے خیر خواہی کا ذریعہ ہو اور ہماری موجودگی معاشرے میں خیر کو فروغ دے، یہی احساسِ جواب دہی سوشل میڈیا کے دور میں ایک مسلمان کے اسلامی اخلاق و کردار کی حقیقی پہچان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سوشل میڈیا کے درست اور مثبت استعمال کی توفیق عطا فرمائے، ہماری زبان، نگاہ، قلم اور انگلیوں کو ہر برائی سے محفوظ رکھے، اور ہماری ہر آن لائن سرگرمی کو علم، خیر، اصلاح اور خدمتِ خلق کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

الحمدللہ اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے" قرآن کوئز" کے ذریعہ
اب تک لاکھوں لوگ قرآن کریم کو ترجمہ کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔

Quiz IIC MUMBAI

قرآن کوئز

سیزن -۱۰

100 سوالات

زندگی کے اسباق قرآن سے

قرآن سمجھ کر پڑھیں اور کوئز کے جواب دیں،
انعام بھی جیتیں اور زندگی کے قیمتی اسباق حاصل کریں۔

کل 5000 کامیاب شرکاء کے لیے انعامات

پہلا	دوسرا	تیسرا	چوتھا	پانچواں
انعام 10000/- روپے	انعام 5000/- روپے	انعام 3000/- روپے	انعام 2000/- روپے	انعام 1000/- روپے

6ویں سے 20ویں انعام	21 ویں سے 50 ویں انعام	51ویں سے 5000ویں انعام	
500/- روپے	خاص کتاب	آن لائن کورس	ای-سرٹیفکیٹ تمام شرکاء کو دیا جائے گا

شامل ہونے کے لیے ابھی ایپلیکیشن ڈاؤن لوڈ کریں

Download The App

islamic quiz iic mumbai

یہ کوئز 10 زبانوں میں دستیاب ہے
ہندی، اردو، انگریزی، بنگالی، رومن اردو (ہنگلش)، کنڑ، گجراتی، تیلگو، تمل اور ملیالم

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | iic mumbai

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی کی مطبوعات

کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں : 70457 88254

If Undelivered Please Return To
Ahlus Sunnah
Managed by : ILM Foundation
Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post

Printed, Published & Owned By: Saad Khalid Patel | Printed at: Alwan Prints, A1/215, Shah & Nahar Industrial Estate, S.J Marg, Lower Parel (West), Mumbai - 400013., Published at: 106, Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai-400010
Editor: Shaikh Kifayatullah Sanabili Mobile: 8657458182